آسیہ رئیس خان

عشق کیجیے

مکمل ناول

ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے وہ دونوں ایک دم خاموش ہو گئے۔ اس خاموشی میں ان کے ٹوٹتے اعتماد اور ڈوبتے تعلق کا خوف چیخ رہا تھا۔

''لیکن کسے سب کچھ معلوم ہے؟''

''ہماری شادی کی حقیقت سب کو بتانے کی سازش، ہم دونوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش، ایسی غلط فہمی جو ہمیں الگ کر دے، کون کر سکتا ہے؟ وہ جو مجھ سے شادی کے امیدوار تھے اور وہ جو ان امیدواروں کے ساتھ تھے طرد بہ، پھوپھو، مزنہ یا، بھابھی؟'' آخر میں سحبان کی آواز کانپ گئی تھی۔

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

"یا خوشنما؟" بمشکل اس کے لب ہلے اور آنکھیں بھر آئیں۔ یہ تصور، یہ خیال ہی جاں بلب تھا۔ ان سارے ناموں میں وہ واحد تھی جو سارے حالات، ہر چھوٹی اور معمولی تفصیل کے ساتھ جانتی تھی۔ اپنی رازدار کو سب کچھ خود اسی نے بتایا تھا۔

دونوں کی دل عزیز ہستیاں اس ممکنہ مجرم کی فہرست میں تھیں۔ یہ تو مصدق تھا کہ ان میں سے کوئی ایک تعلق اور رشتہ مصنوعی، جھوٹا اور پر فریب ہے لیکن سوال اب بھی جوں کا توں تھا، کون ہے وہ؟

☆☆☆

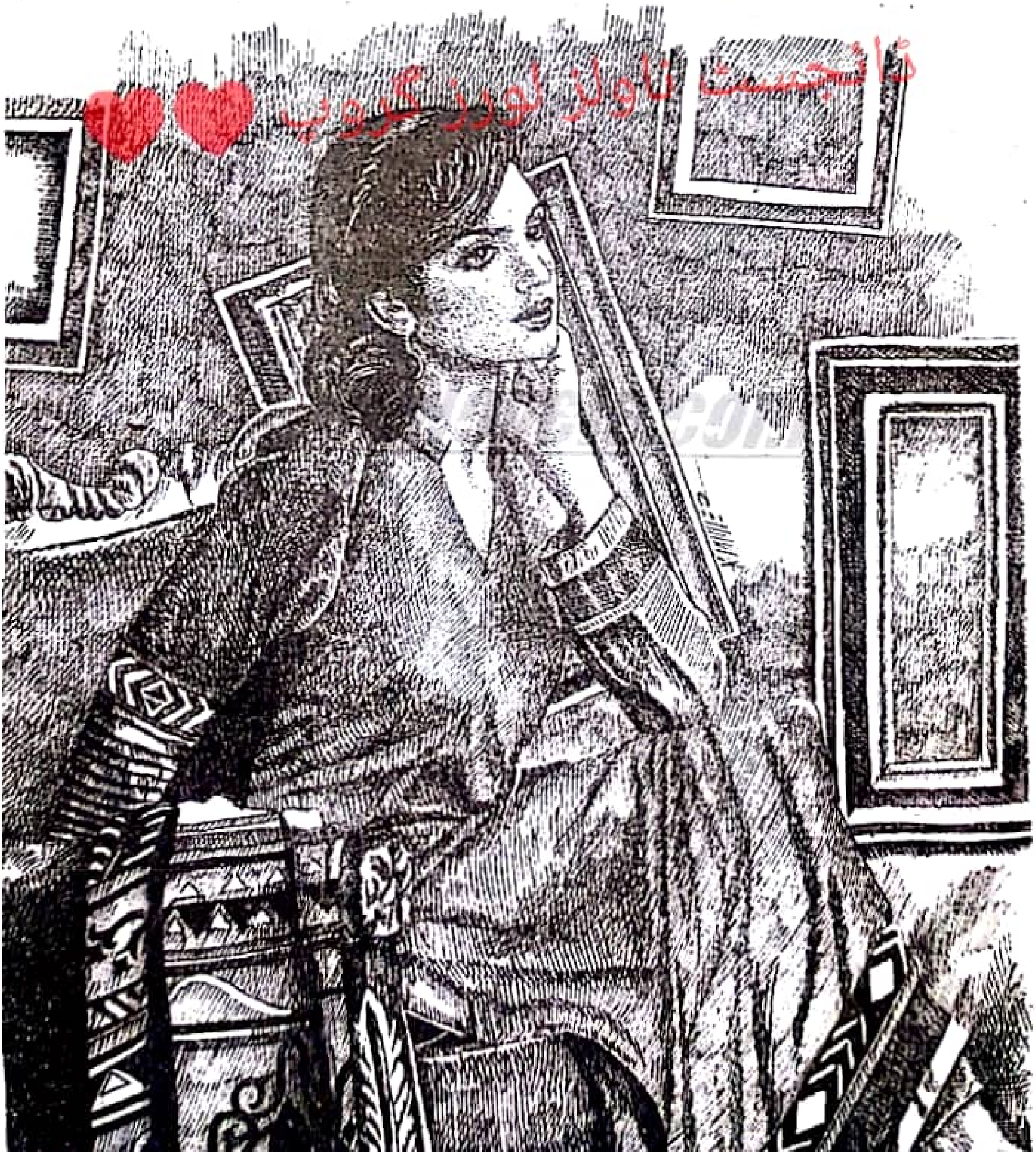

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

ستائیس سالہ زندگی میں کتنی مرتبہ اسے اپنے ابا حضور پر غصہ آیا ہوگا، یہ شمار کرنا مشکل تھا پھر بھی اس وقت ایک بات وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس قدر، اتنا زیادہ، ایسا شدید غصہ اپنے ابا حضور پر آج پہلی بار آرہا تھا۔ وجہ تو ظاہر ہے پہلی وہی تھی یعنی عادتاً دوسری یہ کہ وہ یعنی سبحان احمد کو آج لوکل ٹرین کی ویسٹرن لائن پر سفر کرنا پڑا تھا۔ اور اب پچھلے پندرہ منٹ سے وہ یہاں پلیٹ فارم پر کسی انجان شخص کا انتظار کررہا تھا، ستم ہی ستم تھے۔

دن کی ابتدا ہی غلط ہوئی تھی۔ ناشتا کرتے ہوئے اس کا سامنا غفران احمد سے ہوگیا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر وقت دیکھا کہ یا اللہ وہ آج جلدی کیسے جاگ گیا! لیکن پھر جلد ہی اس نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔ پریشانی والی کوئی بات نہ تھی وہ اتنا جلدی بھی نہیں جاگا تھا۔ خطا تو ابا سے ہوئی تھی جو وہ اب تک گھر میں موجود تھے۔ ان کی خطا مزید خطاؤں میں تبدیل ہوگئی جب انہوں نے ایک لفافہ میز پر اس کے آگے رکھا۔

"یہ چرنی روڈ اسٹیشن پر عبدالشکور کو دے آؤ۔"

اب کان پھاڑنے کی باری تھی مگر ابا کے سامنے کان میں انگلی ٹھونس کر سماعت 'کلیئر' کرنے میں وہ خطرات درپیش تھے کہ اس کے بعد حواس خمسہ کے آن کلیئر ہونے کا خدشہ تھا، سو وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا۔

"تمہاری تصویر اسے بھیج دی ہے وہ پہچان لے گا۔" وہ واپس جانے لگے تو وہ جاگا۔

"میں نے بائیک سروسینگ کو دی ہے۔"

"کبھی اپنی ٹانگوں کی بھی سروسینگ کی ہوتی تو جانتے کہ بمبئی میں کہیں پہنچنا کبھی مسئلہ نہیں رہا......"

معمولاً پہلا جملہ طنزیہ تھا۔ وہ اب تک بمبئی کو ممبئی قبول کرنے سے انکاری تھے اور پرانا نام ہی استعمال کرتے تھے۔ "ہاں اگر ٹرینیں بند ہوں!" انہوں نے فقرہ مکمل کیا۔

ان کا اشارہ اسے آگ لگا گیا۔ بظاہر وہ اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ مارے صدمے کے ہکلا رہا تھا۔

"یعنی۔ یعنی۔ یعنی کہ میں۔ میں ٹرین سے سفر، حق ہا۔"

"جلدی کرو، وہ بارہ بجے وہاں پہنچ جائے گا۔ لفافے پر اس کا فون نمبر لکھا ہے۔" وہ اپنی بات کہہ کر چلے گئے۔

ان کے باہر نکلتے ہی وہ ایکشن میں آگیا۔ کرسی چھوڑی، پیالا دور کھسکایا، منہ پر ہاتھ پھیرا پھر بالوں پر، آخر میں زوردار آواز کے ساتھ دونوں ہاتھ میز پر رکھے۔

"ٹرین سے جاؤں وہ بھی میں۔ یعنی۔"

"ہاں اور پہلے ناشتا کرلو۔" اس کے 'ایکشن پیکڈ ڈرامے' سے ذرا بھی متاثر ہوئے بنا نفرہ نے سکون سے کہتے ہوئے پیالا دوبارہ سابقہ جگہ پر رکھا۔

"ثوبان اینو والے کر گئے ہیں، دوسری ابھی ابا لے کر جارہے ہیں اور رش آور میں بارہ بجے تک چرنی روڈ اسٹیشن پہنچا سکے، ایسا کوئی اولا اوبر ڈرائیور ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔"

اس نے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔ کہہ تو وہ بالکل ٹھیک رہی تھی۔

"جلدی!" اس کے بھینچے لب دیکھتے ہوئے نفرہ نے مسکراہٹ دبا کر اس کے ناشتے کی سمت اشارہ کیا۔

"رہنے دیں۔" وہ جانے لگا تھا کہ اس نے بازو پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھایا۔

"فافٹ کھاؤ اور جاؤ۔ ناشتا کے بغیر تمہیں گھر سے نکلنے نہ دوں یہ میری ساس صاحبہ کا پہلا حکم تھا اور میں......"

"میں کھا رہا ہوں......" اس نے چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔ "آپ کی یہ اسٹار پلس والی ایکٹنگ ابا کے حکم سے بھی بری ہوتی ہے۔"

نفرہ نے اس سفاک صاف گوئی پر اسے گھورا۔

ستائیس سالہ زندگی میں کتنی مرتبہ اسے اپنے ابا حضور پر غصہ آیا ہوگا، یہ شمار کرنا مشکل تھا پھر بھی اس وقت ایک بات وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس قدر، اتنا زیادہ، ایسا شدید غصہ اپنے ابا حضور پر آج پہلی بار آرہا تھا۔ وجہ تو ظاہر ہے پہلی وہی تھی یعنی عادتاً دوسری یہ کہ وہ یعنی سبحان احمد کو آج لوکل ٹرین کی ویسٹرن لائن پر سفر کرنا پڑا تھا۔ اور اب پچھلے پندرہ منٹ سے وہ یہاں پلیٹ فارم پر کسی انجان شخص کا انتظار کر رہا تھا، ستم ہی ستم تھے۔

دن کی ابتدا ہی غلط ہوئی تھی۔ ناشتا کرتے ہوئے اس کا سامنا غفران احمد سے ہوگیا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر وقت دیکھا کہ یا اللہ وہ آج جلدی کیسے جاگ گیا! لیکن پھر جلد ہی اس نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔ پریشانی والی کوئی بات نہ تھی وہ اتنا جلدی بھی نہیں جاگا تھا۔ خطا تو ابا سے ہوئی تھی جو وہ اب تک گھر میں موجود تھے۔ ان کی خطا مزید خطاؤں میں تبدیل ہوئی جب انہوں نے ایک لفافہ میز پر اس کے آگے رکھا۔

"یہ چرنی روڈ اسٹیشن پر عبدالشکور کو دے آؤ۔"

اب کان پھاڑنے کی باری تھی مگر ابا کے سامنے کان میں انگلی ٹھونس کر سماعت 'کلیئر' کرنے میں وہ خطرات در پیش تھے کہ اس کے بعد حواس خمسہ کے اَن کلیئر ہونے کا خدشہ تھا، سو وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا۔

"تمہاری تصویر اسے بھیج دی ہے وہ پہچان لے گا۔" وہ واپس جانے لگے تو وہ جاگا۔

"میں نے بائیک سروسینگ کو دی ہے۔"

"کبھی اپنی ٹانگوں کی بھی سروسینگ کی ہوتی تو جانتے کہ بمبئی میں کہیں پہنچنا کبھی مسئلہ نہیں رہا......"

معمولاً پہلا جملہ طنزیہ تھا۔ وہ اب تک بمبئی کو ممبئی قبول کرنے سے انکاری تھے اور پرانا نام ہی استعمال کرتے تھے۔ "ہاں اگر ٹرینیں بند ہوں!" انہوں نے فقرہ مکمل کیا۔

ان کا اشارہ اسے آگ لگا گیا۔ بظاہر وہ اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ مارے صدمے کے ہکلا رہا تھا۔

"یعنی۔ یعنی۔ یعنی کہ میں۔ میں ٹرین سے سفر، حق ہا۔"

"جلدی کرو، وہ بارہ بجے وہاں پہنچ جائے گا۔ لفافے پر اس کا فون نمبر لکھا ہے۔" وہ اپنی بات کہہ کر چلے گئے۔

ان کے باہر نکلتے ہی وہ ایکشن میں آگیا۔ کرسی چھوڑی، پیالا دور کھسکایا، منہ پر ہاتھ پھیرا پھر بالوں پر، آخر میں زوردار آواز کے ساتھ دونوں ہاتھ میز پر رکھے۔

"ٹرین سے جاؤں وہ بھی میں۔ یعنی۔"

"ہاں اور پہلے ناشتا کرلو۔" اس کے "ایکشن پیکڈ ڈرامے" سے ذرا بھی متاثر ہوئے بنا نضرہ نے سکون سے کہتے ہوئے پیالا دوبارہ سابقہ جگہ پر رکھا۔

"ثوبان اینو والے کر گئے ہیں، دوسری ابھی ابا لے کر جا رہے ہیں اور رش آور میں بارہ بجے تک چرنی روڈ اسٹیشن پہنچا سکے، ایسا کوئی اولا اوبر ڈرائیور ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔"

اس نے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔ کہہ تو وہ بالکل ٹھیک رہی تھی۔

"جلدی!" اس کے بھینچے لب دیکھتے ہوئے نضرہ نے مسکراہٹ دبا کر اس کے ناشتے کی سمت اشارہ کیا۔

"رہنے دیں۔" وہ جانے لگا تھا کہ اس نے بازو پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھایا۔

"فٹافٹ کھاؤ اور جاؤ۔ ناشتا کے بغیر تمہیں گھر سے نکلنے نہ دوں یہ میری ساس صاحبہ کا پہلا حکم تھا اور میں......"

"میں کھا رہا ہوں......" اس نے چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔ "آپ کی یہ اسٹار پلس والی ایکٹنگ ابا کے حکم سے بھی بری ہوتی ہے۔"

نضرہ نے اس سفاک صاف گوئی پر اسے گھورا۔

"ذرا بھی امپریسمنٹ نہیں؟" آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"اونہہ۔" اس نے پلٹ کر چولھا بند کیا اور چائے چھاننے لگی۔

"ابا کا حکم برا، بھابھی کی ایکٹنگ بری، امی کی فرمائش بری، بھائی کے مشورے برے تو اب اسے لے آؤ جس کا کچھ برا نہ لگے تمہیں۔"

"ایسی اچھی کوئی ملے بھی تو!"

"اس دنیا کی مخلوق سے شادی کرنا ہے تو اپنا اسٹینڈرڈ تھوڑا نیچے لے آؤ۔" نضرہ نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ میرا کوئی سیٹ اسٹینڈرڈ نہیں ہے۔" اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر ہماری پسند پر ہاں کیوں نہیں کر دیتے؟"

اس نے نضرہ کی بات ان سنی کی، دو گھونٹ لے کر کپ واپس رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

"دعا کریں بارہ بجے تک وہاں پہنچ جاؤں۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔

اور اب بارہ بج کر دس منٹ پر وہ پچھلے پندرہ منٹ سے پلیٹ فارم نمبر چار پر کھڑا تھا۔ عبدالشکور کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس نے فون کیا تو دوسری طرف کسی نے نہیں اٹھایا۔ سنیچر کی وجہ سے پلیٹ فارم پر زیادہ لوگ نہیں تھے پھر بھی اسے 'بھیڑ' کی وجہ سے الجھن ہو رہی تھی۔ گرمی غضب کی تھی۔ ذرا فاصلے پر بینچ پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ہوا کے دوش پر ان کی آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔

"توبہ کرو! اس سے بہتر ہے بندہ ٹرین کے آگے کود کر خودکشی کر لے۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے، وہ اتنا ٹھیک ٹھاک تو ہے کہ اس شکل کے سہارے بھی زندگی گزاری جا سکتی ہے۔"

"اس بکواس پر تو تمہیں ٹرین کے آگے دھکا دے دینا چاہیے۔"

کہکشان نے اس تخریبی سوچ والی لڑکی کو دیکھنا چاہا لیکن ثانیہ کی صرف آواز آ رہی تھی اور عبایا کے نیچے سے جھانکتے جوتوں میں قید پیر دکھائی دیے جو مسلسل ہل رہے تھے۔

"اور تمہیں اتنا شوق چڑھا ہے تو کہو میں پھوپھو سے سفارش کر لیتی ہوں یا ان کے بیٹے کو ہی بتا دیتی ہوں کہ میری سہیلی تمہاری شکل پر فریفتہ ہے۔"

اس کی بات پر خوشنما زور سے ہنسی۔ "رہنے دو، تم میں اتنی ہمت ہوتی تو خود کے لیے انکار نہ کر دیتیں۔"

ثانیہ کچھ دیر چپ رہی پھر کہنے لگی۔ "شادی میں کسی قیمت پر نہیں کروں گی، یہ طے ہے۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔ "بس کس طرح یہ سوچنا ہے......"

"تم سوچتی رہو اور تمہاری برات دروازے پر کھڑی ہو گی۔"

"تم میری دوست ہو یا پھوپھو کی ایجنٹ؟" اس نے چڑ کر کہا تو خوشنما نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم کیوں اتنی چڑچڑی ہو رہی ہو آج ثانی؟"

"کیوں کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، ابو اب نیم رضامند لگ رہے ہیں، امی کو تو پہلے ہی بشریٰ آپا نے مٹھی میں کر لیا ہے، ادھر پھوپھو دادی کے ذریعے ابا پر پریشر ڈال رہی ہیں۔ کیا کہوں ابو سے، کیا کروں کہ وہ مان جائیں اور پھوپھو کے ساتھ ساتھ بشریٰ آپا کے دیور کو بھی انکار کر دیں، مزید پڑھائی کا وہ دونوں پہلے ہی کہہ چکے کہ ہم مکمل کروائیں گے۔"

"اس کا ایک ہی حل ہے کہ ان رشتوں سے اچھا رشتہ ڈھونڈ لو۔"

"اور کہاں ہے یہ بازار جہاں اچھے رشتے کی شاپنگ ہو سکے؟"

"ساری دنیا ہی بازار ہے......" وہ فلسفیانہ انداز میں اور بھی کچھ کہنے جا رہی تھی کہ ثانیہ پوری اس کی سمت گھومی اور اس کے تیور دیکھ کر خوشنما نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

سحبان کو سرخ اور سرمئی جیومیٹریکل پرنٹ والے اسکارف سے ڈھکا آدھا چہرہ نظر آرہا تھا۔

ذرا دیر گھورنے کے بعد وہ واپس پہلے کی طرح بیٹھ گئی۔

"اچھا رشتہ بھی اس کا حل نہیں خوشی......" اس کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔ "مجھے ابو کی ذمہ داریاں بانٹنی ہیں۔ ابھی شیبا اور حبا کی تعلیم ہے پھر حبا کا انجینئرنگ کا خواب۔ ابو ریٹائرمنٹ کے بعد اب تھکنے لگے ہیں اور میرے علاوہ یہ کسی اور کو محسوس ہی نہیں ہوتا۔" انہوں نے سبکدوشی کے وقت ملی رقم بیٹیوں کی شادی کے لیے رکھ دی تھی اور پنشن میں روز کے اخراجات ہی مشکل تھے۔ وہ دو جگہ ٹیوشن کلاس میں طبیعات اور ریاضی پڑھانے جانے لگے تھے۔

"تمہاری شادی بھی ان کی ذمہ داری ہے، ایسے تم ان کی فکر ہی کم کرو گی۔"

"کس نے کہا تم سے کہ بیٹی کی شادی کے بعد فکریں کم ہوتی ہیں؟ بے وقوف فکریں اور بڑھ جاتی ہیں اور اگر سسرال یسریٰ آپا جیسا ہو یا پھر بیٹی بشریٰ آپا جیسی تو نہ پوچھو۔"

"تم ثانیہ ہو، یسریٰ یا بشریٰ نہیں۔ تمہارے ساتھ ویسا کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے......"

"بس۔" اس نے ہاتھ اٹھایا۔ "مجھے ابھی شادی نہیں کرنی یہ طے ہے، تم میرا ارادہ بدلنے کی کوشش نہ کرو اور اٹھو تین ٹرینیں جا چکیں، اب اس میں چڑھو۔ کہیں آفس بند ہی نہ ہو جائے۔" اس نے دور پٹری پر نمودار ہو رہی ٹرین کی سمت اشارہ کیا اور کھڑی ہو گئی۔

یہ اسٹیشن ان کی خاص جگہ تھا جہاں وہ اکثر باتیں کرنے کے لیے رکتی تھیں جو ٹرین کے مختصر سفر میں پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔ آج بھی کیمپس کے ایڈمن آفس جاتے ہوئے وہ یہاں اتر گئی تھیں۔

"ہم مڈل کلاس والوں کے لیے اچھے رشتے غنیمت ہوتے ہیں اس لیے میں چاہتی ہوں تم جذبات میں کوئی غلط فیصلہ نہ کرو۔"

"شادی، شوہر، سسرال، بچے یہ سب میرے منصوبے یا ذہن میں نہیں ہیں، کم از کم کچھ برسوں تک تو بالکل نہیں۔ میرے پلان کچھ اور ہیں جنہیں پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش میرا فرض اور حق ہے۔"

ٹرین کی آواز میں اسے اگلے الفاظ سمجھ نہیں آئے۔ ٹرین رکی تو اسے احساس ہوا وہ پلیٹ فارم کے 'لیڈیز کمپارٹمنٹ' والے حصے میں کھڑا ہے۔

"یاد آیا، تم نے 'اِکے' کا کل والا ایپی سوڈ دیکھا؟" ٹرین میں چڑھتے ہوئے خوشنما نے پوچھا۔

"نہیں یار......" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔ اسی وقت خالہ آئی تھیں، تم بتاؤ مت کیا ہوا، میں آج دیکھوں گی۔

لوکل ٹرین میں بھیڑ کے معیار کے مطابق ٹرین 'خالی' تھی پھر بھی وہ دونوں دروازے پر ہی کھڑی رہیں۔ چند سیکنڈ بعد ٹرین رینگنے لگی۔ وہ دونوں جس طرح دروازے کے درمیان والے ڈنڈے کو پکڑ کر آدھی باہر جھول رہی تھیں، اس سے ان کے اس کام میں مشاق ہونے کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس کے قریب آواز ابھری۔ اس نے دونوں سے نظر ہٹائی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اٹھارہ انیس سال کا لڑکا اسی ٹرین سے اترا تھا۔

"مجھے ابا نے بھیجا ہے، عبدالشکور نام ہے ابا کا۔" اس کی شکل سے ہی لگ رہا تھا کہ ان کا درد سانجھا ہے۔ وہ اکیلا اپنے ابا سے عاجز نہیں تھا، کوئی اور بھی ابا نامی مخلوق کے ذریعے یہاں جبراً بھیجا گیا تھا۔

"آپ سحبان احمد ہیں ناں، یہ والے، ؟" لڑکے نے فون کا اسکرین اس کے سامنے کیا۔ اپنی پرانی پاسپورٹ سائز تصویر دیکھ کر وہ ایک بار پھر تلملا گیا۔ عفران چاچا کے بیٹے۔"

اس نے کچھ کہے بغیر روپے والا لفافہ اسے تھما دیا۔

"چلتا ہوں، شکریہ۔" اس لڑکے نے کہا اور

تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ برتیج سے دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچا ہی تھا کہ ٹرین آ گئی۔
سحبان نے گہری سانس لے کر نظریں گھماتے ہوئے باہر جانے کا راستہ تلاش کیا۔ باہر نکلتے ہوئے وہ ایپ میں ٹیکسی بک کر رہا تھا۔ ٹرین سے واپسی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ایپ میں اوشیوارہ پہنچنے کا متوقع وقت دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اتنا وقت برباد کرنا عقل مندی نہیں تھی۔ اب اسے خود پر غصہ آیا کہ ساتھ ہی ریٹرن ٹکٹ کیوں نہ لیا۔ ٹکٹ لے کر وہ واپس پلیٹ فارم پر آیا۔ آج کا خاص دن اس کی زندگی میں ٹرین کے سفر کے لیے مختص تھا۔

☆☆☆

"کل پھر فیروزہ کا فون آیا تھا......" دادی نے پان دان کھولتے ہوئے کہا اور اندر ثانیہ نے گہرا سانس لیا۔
"اس سال اسے جواد کی شادی کرنا ہی ہے۔"
"تو کر دیں، کس نے روکا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
"اماں! آپ بھی جانتی ہیں ثانی کا معاملہ یسریٰ اور بشریٰ سے الگ ہے۔ اس کی تعلیم کے شوق کی وجہ سے یہ بھی اتنی جلدی اس کی شادی نہیں کرنا چاہیں گے اور راضی ہو بھی گئے تو ثانیہ کی مرضی کو اہمیت دیں گے۔" انہوں نے دبے لفظوں میں آگاہ کرنا چاہا۔ ثانیہ کا جواد کے ساتھ سرد رویہ سب ہی کو اس کی ناپسندیدگی سے آگاہ کر چکا تھا۔ یہ الگ بات کوئی کھلے طور پر اعتراف نہیں کرتا تھا۔
"کیسی جلدی؟ بیس سال سے اوپر ہو گئی ہے۔ بہت پڑھ لیا، فیروزہ کے گھر جا کر پڑھ لے گی وہ کہاں روک رہی ہے اور کوئی ضرورت نہیں ہے اسے من مرضی کی چھوٹ دینے کی۔" دادی تو جیسے اپنی طرف سے یہ رشتہ طے کر بیٹھی تھیں۔ انہیں اندازہ تھا بہو کا رجحان بڑی بیٹی کے دیور کی طرف ہے اس لیے وہ اس معاملے میں فیصلہ کن انداز اپنائی تھیں۔
"بشریٰ اور اس کی ساس بھی کب سے کہہ رہی ہیں۔" سفینہ نے بھی یہ ذکر ضروری سمجھا۔
"اونہہ، اس کا کہاں جواد سے مقابلہ اور اولیت اپنوں کو دی جاتی ہے۔" نخوت سے کہتے ہوئے انہوں نے پان منہ میں ڈالا۔
فیروزہ ان کی بڑی بیٹی اور جواد ان کا پہلا اور انتہائی لاڈلا نواسا تھا۔ بیٹے کے گھر اولاد نرینہ کی کمی کا دکھ، افسوس، پچھتاوا، غصہ دادی نے کبھی نہیں چھپایا۔ بچپن سے ہی اسے ہر معاملے میں زبردستی جواد کا شامل کیا جانا، اس کا ذکر اور پھوپھو کی اکڑی گردن، امی کی نادم نظریں اور دادی کا جتانا سب محسوس ہوتا تھا۔ دادی چاہتی تھیں کہ عبدالسمیع اسے بیٹے کا مقام اور اہمیت دیں لیکن انہوں نے اپنی بیٹیوں کا مقام اور ان کے حصے کی محبت، اہمیت کسی کو نہیں دی۔ وہ اللہ کی ان رحمتوں پر شاکر تھے۔ نانی اور ماں کے رویے اور باتوں نے جواد کا مزاج اور سوچ ویسی ہی کر دی تھی۔ وہ تین بھائی تھے۔ اس کی کوئی بہن نہ تھی۔ شاید وہ اسی لیے بہنوں کے لیے شفقت اور اعتماد جیسے جذبے سے نابلد تھا۔ وہ خود کو ان بہنوں کا نگراں سمجھنے لگا تھا۔ وہ ان کے معاملات سے خود کو باخبر رکھتا۔ کون، کب، کہاں جا رہی ہے، کیا کر رہی ہے، کون سہیلیاں ہیں، کہاں رہتی ہیں سب کچھ اور پھر وہ بڑے استحقاق سے ان سے کہا کرتا، تم اس دن وہاں گئی تھی، فلاں جگہ تمہارے ساتھ کون تھا، فلاں جگہ نہ جایا کرو، اس لڑکی کے گھر کیوں گئی تھی؟ شیبا اور حبا تو لحاظ کر لیتی تھیں لیکن اسے جواد زہر لگتا تھا اور وہ یہ چھپانے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔
"ایسا کیا ہے اس میں سوائے جنس الگ ہونے کے، جو ہم میں نہیں؟ کس بات کا احساسِ برتری ہے اسے؟ ایسا کچھ نہیں جو وہ کر سکتا ہے اور ہم نہیں۔" اس نے تلملاتے ہوئے کہا تھا۔
"آپی! وہ دادی کے سامنے سگریٹ پیتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتیں۔" حبا نے یاد دلایا۔
"میں وہ بھی کر سکتی ہوں۔"
"آپ کریں تو وہ اسموکنگ نہیں کم سے کم بے

حیائی اور زیادہ سے زیادہ اپنے قتل کی دعوت ہوگی۔"
"ویسے سچ کہا تم نے، یہی ایک فرق ہے ورنہ تو ہم اس سے زیادہ کر لیتی ہیں، گھر کے کام کے ساتھ، بل، بینک، اسپتال، ایڈمیشن، بازار سب کچھ ہی، بچی پڑھاتی تو یقیناً ہم اس سے اچھی ہیں۔"
"وہ بائیک بھی چلاتے ہیں۔"
یہ کون سا مشکل ہے، ہم وہ بھی سیکھ لیں گے۔"
"تو اب تم جواد بھائی کی برابری کرنے اسموکنگ اور ڈرائیونگ کرو گی؟" شیبا نے پوچھا۔
"بالکل نہیں، مجھے نہیں بڑی برابری کی لیکن کسی طرح یہ بات دادی اور پھوپھو کو باور کرانی پڑے گی کہ کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں ان میں۔" اس نے کہہ تو دیا تھا لیکن یہ دونوں کام اس کے ذہن میں اسی نکتے سے جڑے تھے۔ وہ اکثر لڑکیوں کو ڈرائیونگ اور ٹرین یا اسٹیشن پر کسی کو اسموکنگ کرتے دیکھتی تو یہ دیرینہ حسرت بیدار ہو جاتی تھی۔
"آل دا بیسٹ گول!" شیبا نے متاثر ہونے کا مصنوعی تاثر سجا کر کہا تھا۔
"آپ کتنی بھی کوشش کر لیں، دادی اور پھوپھو پر رتی برابر اثر نہیں ہونا۔" چھوٹی حبا نے پتے کی بات کہی تھی۔
اس نے سر جھٹک کر نوٹس اٹھائے ہی تھے کہ داخلی دروازے سے بشریٰ آپا کا زوردار سلام گونجا، بچوں کے بیک گراؤنڈ کورس کے ساتھ۔
"یا اللہ!" اس نے کراہ کر سر میز پر رکھا۔ "کیسی دشمنی ہے ان کی میری پڑھائی سے؟"
"ارے بیٹا! فون تو کر لیتی پہلے۔" امی واری نیاری جاتے ہوئے بارہا کہا جملہ دہرا رہی تھیں حالاں کہ بیٹی کی عادت سے بخوبی واقف تھیں کہ وہ اطلاع دینے جیسے تکلفات سے بے بہرہ ہے۔
"اچانک ہی بچوں کو کل کی چھٹی مل گئی تو جلدی جلدی بیگ بھرا اور نکل گئی ورنہ پھر ٹرینوں میں کتنا رش ہو جاتا ہے، کہاں ہیں سب؟"

شیبا اور حبا تو اسکول اور کالج میں ہیں، ثانی ہے اندر۔"
اس نے میز سے سر اٹھایا، نوٹس بند کیے، دوپٹا اوڑھا اور زبردستی کی مسکراہٹ سجا کر اپنے حجرے سے باہر نکل آئی۔
"السلام علیکم۔"
"تم کیا سارا ٹائم ادھر بند رہتی ہو۔ دنیا کی واحد لڑکی نہیں جو کالج جاتی ہے۔" نہ سلام کا جواب نہ حال احوال۔
"آپ کئی ہوتیں کبھی تو پتا چلتا ناں...... کیسے ہیں میرے شیر اور شیرنی؟" اس نے بشریٰ کو جوابی حملے کا موقع دیے بغیر بھانجے بھانجی کو دبوچا۔ وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔
بشریٰ کا نمبر دوسرا تھا۔ اس میں اور بڑی یسریٰ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ شادی سے پہلے یسریٰ کے خیالات بھی وہی تھے جو اب ثانیہ کے تھے کہ باپ کی ذمہ داریاں بانٹنی ہیں مگر پھر ایک سال اسکول میں نوکری کے دوران اسے محبت ہو گئی۔ محبت کی شادی کی آزمائش شادی کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اعجاز کے والدین نے اسے پسند سے شادی کی اجازت دے کر بہو سے سارے اختیارات اور آزادی چھین لی تھی۔ اپنی پسند سے شادی ہو جانے پر اعجاز والدین کا اس قدر احسان مند تھا کہ اب یسریٰ کی محبت ان کے احسان کے بعد آتی تھی۔ اپنی کمائی کی ایک ایک پائی کا حساب دینے کے ساتھ گھر کی ساری ذمہ داریاں بھی یسریٰ کے سر تھیں۔ زیادہ دن نہیں لگے تھے اسے سمجھنے میں کہ ساس سسر نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں، کماؤ بہو اور بیٹے کی تاعمر کی زبان بندی۔ وہ جو باپ کا بوجھ بانٹنا چاہتی تھی اب اس کوشش میں ہلکان ہوتی کہ ان کے بوجھ میں معمولی سا بھی اضافہ اس حقیقت کی وجہ سے نہ ہو لیکن ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ شادی شدہ بیٹیوں کی آنکھوں کی اداسی سب سے پہلے والدین کے دل میں اتر لی ہے۔

اعجاز اور اس کے سسرال کا رویہ تو شادی کے دوران ہی ظاہر ہو گیا تھا۔ پھر شادی کے بعد یسریٰ پر پابندیاں اور ان کی سرد مہری اور خاموشی نے بھی بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ یسریٰ با اختیار ہوتے ہوئے بھی بے انتہا مجبور تھی۔ کچھ اس کا مزاج بھی بات بگاڑنے یا بڑھانے کے بجائے سمجھوتا کرنے والا تھا۔ چاہ کر بھی اپنے والدین پر خرچ نہیں کر سکتی تھی نہ ان کے پاس کچھ دن کے لیے رک کر ان کی خدمت کر سکتی تھی۔ وہ جتنے وقت کے لیے گھر آتی اس دوران ہی ماں کے کئی کام نپٹا دیتی، باپ کی پسند کا کچھ پکا کر فریج میں رکھ جاتی، ان کے پیر دبا لیتی یا ان کی میز جما کر رکھ دیتی۔ بہنوں کے لیے چھوٹی موٹی چیز لے آتی۔ وہ والدین اور بہنوں کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے اختیار میں بس اتنا ہی تھا۔

بشریٰ اس کے اُلٹ 'میکے سے جتنا سمیٹ سکو سمیٹ لو' فلسفے سے تھی۔ اسے صرف حق یاد تھے، فرائض اور ذمہ داریاں نہیں۔ ادرک لہسن سے لے کر کپڑے پردے سب 'ادھر' ہی سستے ملتے تھے۔ ہر دوسرے دن فون پر میرے لیے یہ لے لینا، وہ لے کر رکھو کہنے والی سستے یا مہنگے وعدے کے مطابق اکثر ان چیزوں کے پیسے ماں کو دینا بھول جاتی تھی۔

☆☆☆

اس سے برا اتفاق ساری دنیا میں کہیں نہیں ہوا ہوگا جو آج اس کے ساتھ لفٹ سے نکلتے ہوئے ہو گیا۔ قصور اس کا بھی تھا جو وہ ایک منزل پہلے لفٹ سے نہ نکلا اور وقت دیکھنا بھی بھول گیا ورنہ ابا کا فجر کی نماز کو جانے کا وقت اسے بھی معلوم تھا۔ ساری رات وہ منیب کے گھر پب جی کھیلتا رہا تھا۔ اس کے گھر والے شادی میں شرکت کے لیے دوسرے شہر گئے تھے اور اس کے گھر ایسی آزادی کبھی کبھی ملتی تھی۔ جب کہ غفران احمد کے نزدیک تو وہ ساری رات آوارہ گردی کا گناہ کر کے گھر لوٹ رہا تھا۔ شرم اور مروت کے مارے وہ بھی ان کے ساتھ مسجد چلا گیا۔ اس نے اپنی بھونڈی کوشش سے یہ جتانا چاہا کہ وہ بھی نماز کے لیے ہی جا رہا تھا۔ غفران احمد سورج کے مغرب سے نکلنے کا تو یقین کر لیتے مگر ریحان پر یقین۔ کبھی نہیں! انہوں نے اس سے ایک لفظ نہیں کہا نہ اس نے کوشش کی۔ نماز پڑھتے ہی وہ گھر آ کر سو گیا۔ ابا کچھ دیر تلاوت اور آدھے گھنٹے کی چہل قدمی کے بعد گھر آتے تھے۔

"آج اتنی خاموشی کیوں؟ یا مجھے ہی محسوس ہو رہی ہے؟" اپنے وقت پر وہ ناشتے کے لیے باورچی خانے میں آیا تو وہاں پہلے سے موجود نمرہ سے پوچھا۔

"ماموں صبح سے تمہارے انتظار میں ہال میں بیٹھے ہیں۔"

پانی پیتے ہوئے اسے اچھو لگ گیا۔ "اب کیا کیا تم نے؟" وہ اس کی 'حامی و مددگار نمبر ون' تھی اس لیے بتانا لازم تھا۔ ریحان نے صبح والا حادثہ کہہ سنایا۔

"آپ کی خاموشی مجھے ڈرا رہی ہے۔"

سب سننے کے بعد وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔

"انہیں زیادہ غصہ تمہارے نماز پر جانے سے آیا ہوگا، مطلب کیا سمجھتے ہو تم۔ انہیں بے وقوف یا خود کو طرم خان۔ انہوں نے ممانی کے پوچھنے پر بھی کچھ نہیں کہا اور تم اٹھے یا نہیں یہ کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں۔"

"اب مجھے بھوکا تو شیر کی کچھار میں نہ بھیجیں، کچھ کھانے تو دیں۔" وہ اس پیشی کا عادی تھا۔

"تایا جان آپ کو بلا رہے ہیں۔" تب ہی ماہین نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"تم سن لو پہلے، جاؤ۔" آج نمرہ کو غفران احمد کا رویہ غیر معمولی لگ رہا تھا۔

"آپ میری وکیل ہیں، چلیں ساتھ۔"

"ماہین! تم اس کا ناشتا نکال دو، میں آتی ہوں۔" وہ اسے ہدایت دے کر ریحان کے پیچھے ہال میں آئی۔

"السلام علیکم۔" وہ ہاتھ باندھ کر مودبانہ کھڑا

ہو گیا۔ جواب عذرا نے دیا۔ غفران احمد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"عذرا!" نظر اس پر تھی اور مخاطب بیوی کو کیا۔

"آپا کو فون کر کے ایک دو دن میں گھر بلوا لو، طروبہ اور سحبان کی شادی کی تاریخ طے کرنا ہے۔"

سب کے منہ کھلے رہ گئے۔ اگلے پل سحبان کو بے اختیار ہنسی آئی جسے ضبط کرنے کی کوشش میں وہ غفران احمد کو مزید اشتعال دلا گیا۔

"کوئی ایک لفظ نہیں کہے گا، اب اس کی شادی ہر حال میں ہوگی، ہاں اگر اسے شادی نہیں کرنی تو بائیک کی چابی مجھے دے کر کل سے میرے ساتھ کارخانہ آئے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم بھی اپنی تیاریاں شروع کر دو۔" انہوں نے نضرہ سے کہا۔

"گاڑی کی چابی رات تک مجھے مل گئی تو آپا کو فون کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ ہال سے باہر نکل گئے۔

امی......!"

"مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔" اس کی بات سننے سے پہلے ہی عذرا نے کہا۔

"اچھا ہے اب یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھ ہی جائے، فون دو میرا نضرہ، یہ آفس جانے اور گاڑی دینے سے تو رہا، ابھی کال کرتی ہوں آپا کو۔"

ایکٹنگ آپ کے بس کی بھی نہیں۔" وہ آگے آ کر ماں کے قریب بیٹھ گیا۔

عذرا نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ "ہر وقت مذاق! ساری ساری رات باہر گھومنا کون سی شرافت ہے؟" "امی منیب کے گھر تھا، ساتھ میں عارف بھی تھا اور......"

"اس بار تمہارے ابا اپنے ارادے کی تکمیل کے موڈ میں ہیں، تمہارے سدھرنے کی امید ختم ہو گئی ہے، اس لیے اب وہ اپنا فرض پورا کر کے تم سے ہاتھ جھاڑ دیں گے۔"

"میری ایسی قسمت کہاں امی!" اس نے سرد آہ بھری۔

"وہ مجھے ہی جھاڑتے رہیں گے، مجھ سے اپنے ہاتھ نہیں جھاڑیں گے۔"

"تمہارے پاس موقع تھا جب ماموں نے تمہاری پسند پوچھی تھی، تم نے گنوا دیا، اب تو ڈائریکٹ طروبہ کا نام لیا ہے۔" نضرہ نے غلطی کا احساس دلانا چاہا۔

"یہ بھی اچھی رہی، مجھے کوئی پسند نہیں تو زبردستی پسند کر لوں یا کسی کا بھی نام لے لوں؟"

"اس فراق میں بڈھے ہونے سے اچھا یہی ہے کہ معقول لڑکی سے شادی کر لو۔"

"اب اگر طروبہ کی معقولیت پر کچھ کہا تو آپ سب کو برا لگ جائے گا۔"

"بنا سوچے سمجھے کچھ بھی کہہ دیتے ہو۔" عذرا نے ناراضی سے کہا۔

"خوب صورت، پڑھی لکھی، دیکھی بھالی لڑکی ہے اور یہ صحیح وقت ہے شادی کا۔" عذرا نے شوہر کے ساتھ ہونے کا اعلان کیا۔

"آپ سب سے بحث فضول ہے......" وہ کھڑا ہوا۔ "آپ کہہ دیں انہیں مجھے نہیں کرنی طروبہ سے شادی۔"

"کان کھول کر سن لو، اب کوئی تمہاری حمایت میں نہیں بولے گا، نہ نضرہ نہ میں۔ اپنے ابا سے تم ہی کہو جو کہنا ہے۔"

"یا کارخانہ جاؤ کل سے۔" نضرہ نے دوسرا راستہ بتایا۔

"مجھے ادھر جانے میں کوئی مسئلہ نہیں بس وہاں ابا نہ ہوں۔"

"تاکہ تم بنا بنایا کاروبار چوپٹ کر دو۔"

"آپ سب مجھے اتنا انڈر اسٹیمیٹ کیوں کرتے ہیں؟" اب وہ چڑ گیا۔

"ناشتا تیار ہے۔" تبھی ماہین دروازے میں نمودار ہوئی۔

وہ بنا کچھ کہے باورچی خانے کی سمت بڑھ گیا۔

نغمرہ بھی اس کے پیچھے تھی۔
عذرا گہری سوچ میں غرق ہوگئیں۔
نغمرہ یعنی بڑی بہو، ان کی چھوٹی نند کی بیٹی تھی جس سے انہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بڑی نند کی سب سے چھوٹی بیٹی طروبہ کو بہو بناتے ہوئے وہ نند کی وجہ سے کشمکش و پیچ میں تھیں۔ دونوں نندوں کے مزاج الگ تھے۔ مگر یہاں مسئلہ یہ بھی تھا کہ ان کے شوہر اپنی آپا سے عقیدت کی حد تک محبت کرتے تھے اور جب بہن نے خود سحبان کو داماد بنانے کا عندیہ دیا تو ان کا پیچھے ہٹنا یا کچھ اور سوچنا ممکن نہ تھا۔ اس پر سحبان کا مزاج، اس کا اور غفران احمد کے ہمیشہ محاذ آرائی والا تعلق۔ ایسے میں لاڈلی بہن کی بیٹی سے اس کی مرضی کے بنا شادی۔ وہ ابھی سے آگے کے حالات میں بیٹے کو پستا دیکھ رہی تھیں لیکن سحبان کے غیر سنجیدہ رویے کو کیسے بدلا جائے اس سوال کا جواب بھی نہیں ملتا تھا۔ لے دے کہ ایک شادی ہی اس کا حل نظر آ رہا تھا۔ باتوں کو غفران احمد کا ارادہ اس بار اٹل لگ رہا تھا لیکن اس نے ابا کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

☆☆☆

پریکٹس کے بعد جب اس نے موبائل دیکھا تو ثوبان کی چار مسڈ کالز تھیں۔ اس نے فوراً اسے فون لگایا۔
" سب خیریت بھائی؟ آپ کی مسڈ کالز ہیں۔"
" کہاں ہو تم؟"
" جمخانہ، پریکٹس میچ تھا، ابھی ختم ہوا ہے۔"
" ابا سریسلی تمہاری شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"
" آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے؟"
" اس بار بچنا مشکل ہے یار، یہ سمجھا رہا ہوں۔ ابا نے مجھے میرج ہال دیکھ کر بک کرنے کو کہا ہے، میرے سامنے ہی گاؤں فون لگا کر سب کو بتایا کہ تمہاری شادی ہے، تاریخ طے ہوتے ہی اطلاع دیں گے سب تیاری کر لیں اور......"
" بھائی؟ پھر یہ سب مجھے نہ بتائیں اور کچھ کریں۔"
" ان کے پاس میری ہر بات کا جواب ہے اس بار، یعنی وہ طے کر چکے طروبہ نامی نکیل تمہاری ناک میں ڈالنی ہی ہے۔"
ثوبان کی بات سے اسے پہلی بار معاملے کے تشویش ناک ہونے کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے یہ کوشش کئی بار ہوئی اور ہر بار ثوبان کسی طرح ابا کو منا لیا کرتا تھا۔
" اگر واقعی طروبہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو ابا کے ساتھ کام پر جانا شروع کر دو۔"
" یعنی ابا اور طروبہ یہ دو ہی چوائس بچی میرے لیے اب۔" وہ بری طرح جھلا گیا۔
" ابا کارخانے کی ضد چھوڑ دیں تو میں کل سے شوروم آنا شروع کر دوں اور طروبہ کا تو سوال ہی نہیں۔"
" تم کب تک بھاگو گے سحبان؟ تھوڑا ایڈجسٹ کرو۔ تھوڑا کمپرومائز کر لو۔ کچھ دن تک ابا کے ساتھ رہو پھر میں جلد ہی تمہیں ادھر بلا لوں گا۔" ثوبان اسے سمجھاتا رہا اور وہ اسے ابا کو سمجھانے کو کہتا رہا۔
اتوار کی صبح ہی اسے نغمرہ نے خبردار کیا کہ آج طروبہ مع کنبہ آنے والی ہے۔
" کچھ سوچیں پھر۔"
" اس بار مشکل ہے، ماموں کا موڈ ہر بار سے الگ ہے یعنی یہ خالی خولی دھمکی نہیں کیوں کہ......"
نغمرہ نے گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کل انہوں نے کارخانے سے کاریگر کو بھی بھیجا تھا یہاں ڈبل بیڈ اور وارڈروب کے میجرمنٹس لینے کے لیے۔"
" کیا۔؟" جوائے اسٹک میز پر رکھ کر اس نے کرسی گھمائی۔ معاملہ واقعی سیریس تھا۔
" جی ہاں۔"
" کچھ کریں، اس طروبہ سے کسی قیمت پر نہیں کر سکتا میں شادی۔"

کام پر جانا شروع کر دو یا کسی اور کا نام لے لو۔"

"کیسے؟" سبحان نے شانے اور ہاتھ ہلا کر اشارے سے پوچھا۔

"تم نے یونہی ضد باندھ لی ہے، کچھ دن تو جاؤ پھر شوروم بھی سنبھال لینا، آخر یہی خاندانی بزنس ہے تمہیں ایک نہ ایک دن سنبھالنا تو ہے۔"

"مجھے ادھر جانے پر اعتراض نہیں، وہاں ابا کی موجودگی اور سب کے سامنے مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے ہے، وہ بچہ ہی سمجھتے ہیں اب بھی مجھے۔"

وہ دن جو اس نے ان کے ساتھ وہاں گزارے تھے، اسے اچھی طرح یاد تھے۔

"تو بڑا بن کے دکھاؤ نہیں۔"

"اور بڑا بننے کے کیا یہ دو ہی طریقے ہیں، کام اور شادی؟"

"ہاں۔"

"مجھے تو یہ آپ سب کی ملی جلی سازش لگ رہی ہے، کوئی نہیں میری طرف۔"

"طروبہ سے نہیں تو خاندان کی کسی اور لڑکی کا نام لے لو۔" نضرہ نے اس کی بات کا برا مانے بغیر دوسرا مشورہ دیا۔

"کسی لڑکی کو اس نیت سے نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا ہے۔" اسے بھابھی کا اگلا جملہ پتا تھا اس لیے پہلے ہی اگلا مشورہ رد کر دیا۔

"آستلی میں مزنہ کو اپنی دیورانی دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

سبحان نے چونک کر سنجیدہ نضرہ کو دیکھا۔

"سیریسلی؟"

"سیریسلی۔"

"میں دیور بڑا اچھا ہوں مگر بطور ہسبنڈ مجھ سے اچھی امید نہ رکھیں، مجھے نہ لڑکیوں کی سمجھ آتی ہے نہ رشتوں کی۔ بندشیں، رکاوٹیں، فارملیٹیز تو قطعی نہیں پسند۔ اگر آپ کو ہمارا یہ خوب صورت رشتہ خراب کرنا ہے تو بسم اللہ کریں۔" اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

نضرہ نے گہری سانس لے کر سبحان کو بغور دیکھا کہہ تو وہ بالکل ٹھیک رہا تھا۔ وہ بہت لاابالی اور لاپروا تھا۔

"بھابھی!" ناہین نے دروازے پر دستک دے کر اندر جھانکا۔

"سبحان بھائی کو تایا جان بلا رہے ہیں۔"

"ہیں! اب کیا؟" وہ گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ "کہیں نکاح کی تاریخ ہی نہ سنا دے اب کے۔"

"کیا پھوپھو لوگ آ گئے؟ میں سب کے سامنے انکار کر دوں گا بھابھی۔"

"نہیں، خالہ تو شام میں آنے والی ہیں، کوئی اور بات ہو گی۔"

وہ دونوں ایک ساتھ ہال میں آئے۔

"ڈرائیور چھٹی پر ہے، ذرا میرے ساتھ چلو۔" خلاف معمول ابتدائی طنزیہ جملوں کے بغیر ہی انہوں نے مدعا بیان کر دیا۔

سبحان نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ انہوں نے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ تب ہی غفران احمد کا فون بجنے لگا۔

"ہیلو۔" وہ بات کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"ان کے دوست ہیں ناں عبدالسمیع بھائی، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہاں جا رہے ہیں۔" اسے اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر عذرا نے کہا۔

"اب جاؤ بھی۔"

وہ یہ نام کئی بار سن چکا تھا اور شاید اس کے علاوہ سارا گھر ہی عبدالسمیع کے خاندان سے واقف بھی تھا۔

غفران احمد اور عبدالسمیع کے والدین لکھنو کے قریبی دیہاتوں سے برسوں قبل اس شہر میں آئے تھے۔ تلاش روزگار میں بھٹکتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اور وہ دوست بن گئے۔ قسمت نے غفران احمد کے والد کا ساتھ دیا اور ان کا شروع

کیا کاروبار چل پڑا۔ اب غفران احمد اس شہر میں کروڑوں کی املاک کے مالک تھے۔ جب کہ عبدالسمیع کے والد تمام عمر سفید پوش ہی رہے۔ ان کی اولاد میں عبدالسمیع ہی تعلیم حاصل کر کے نوکری کر سکے تھے۔ انہوں نے دو بیٹیاں گاؤں میں بیاہی تھیں۔ ایک فیروزہ ممبئی میں تھیں۔ چھوٹا بیٹا بھی والد کے انتقال کے بعد گاؤں لوٹ گیا تھا۔ والدین کی دوستی کے بعد بچپن کے ساتھی عبدالسمیع اور غفران احمد نے بھی یہ تعلق قائم رکھا تھا۔ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اب وہ دونوں اپنے والدین سے زیادہ قریبی اور جگری دوست تھے۔

اوشیورہ سے بائیکلہ کے لیے سفر میں دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی۔ غفران احمد کا فون وقفے وقفے سے شروع تھا۔ ان کا لکڑی کے فرنیچر کا کاروبار تھا۔ ثوبان کے تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے بڑا اور شاندار شوروم بھی کھول لیا تھا جو ثوبان ہی سنبھال رہا تھا۔

تنگ سی گلیوں کو گاڑیوں کی پارکنگ نے مزید تنگ کر دیا تھا۔ اللہ اللہ کر کے وہ عمارت تک پہنچے۔ زیادہ تر پرانی عمارتیں ری ڈویلپمنٹ پالیسی کے تحت کثیر منزلہ ٹاورز میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ ان کی مطلوبہ عمارت اکادکا پرانی عمارتوں میں سے ایک تھی۔ اس کے بعد پارکنگ کے لیے جگہ تلاش کرنے میں مزید وقت لگا۔ جہاں بالآخر اس نے گاڑی کھڑی کی وہ جگہ مطلوبہ عمارت سے بہت فاصلے پر تھی۔ غفران احمد کا بچپن اور جوانی انہی گلیوں میں گزری تھی اس لیے اس جگہ سے انہیں خاص انسیت اور واقفیت تھی۔

انگریزوں کے زمانے کی تعمیر کردہ عمارت میں سیڑھیاں لکڑی کی بنی تھیں۔ قدرے تاریکی میں اس پر پڑتے جوتوں کی آواز مخصوص دھمک کے ساتھ گونج رہی تھی۔ وہ سنبھل کر اور ڈرتے ہوئے چڑھ رہا تھا جب کہ غفران احمد معمول کی طرح۔ ہر منزل پر لمبی سی راہداری کے دونوں جانب دروازے بنے تھے۔ ابا کی قیادت میں چلتا وہ بھی تیسری منزل پر راہداری کے آخری دروازے پر رک گیا۔

ابا نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ ذرا دیر بعد دروازہ کھل گیا۔

"ارے غفران بھائی، آپ!" دروازہ کھولنے والی خاتون شاید کسی اور کی توقع کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" غفران احمد نے مسکرا کر سلام کیا۔"

"وعلیکم السلام، آیئے ناں۔" ایک طرف ہو کر انہوں نے اندر آنے کا راستہ دیا۔ ابا اندر داخل ہوئے تو اس نے بھی سلام کیا اور ان کے پیچھے اندر داخل ہوا۔ امید کے برخلاف اندر روشنی تھی۔

مکان ممبئی کے مخصوص متوسط طبقے کی تصویر تھا، زیادہ سامان اور کم جگہ۔ بستر پر لیٹے عبدالسمیع اٹھ کر غفران احمد سے بغل گیر ہوئے۔

"مجھے بتائے بغیر ہی اسپتال کا چکر لگا آئے؟" ایک قدرے طویل معانقے کے بعد انہوں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بس کیا کہوں! فون بھی نہیں تھا پاس کہ تمہیں وہاں سے کال کرتا، اب بھی فون ثانی کے قبضے میں ہے۔" سفینہ پانی لے کر آئیں۔

"اتنی صبح کیسے آگئے آپ؟" گلاس انہیں تھماتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔ سبحان نے خوش ہو کر انہیں دیکھا کہ کسی اور کے لیے بھی یہ 'اتنی صبح' تھی۔

"کل سے اسے فون لگا رہا ہوں، اٹھاتا ہی نہیں ہے، ایسا کبھی نہیں ہوتا اس لیے فکر ہو رہی تھی، کچھ دیر پہلے کال ثانی نے کال ریسو کی اور اسی نے بتایا۔"

ان کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ کل سینے میں درد کی شکایت کے ساتھ عبدالسمیع کی طبیعت بگڑ جانے پر وہ اسپتال رہ کر آئے تھے جس کی وجہ فشارالدم (ہائی بلڈ پریشر) کی زیادتی تھی۔

ابا کے بے تکلف و لطیف انداز و لہجے پر تو اس کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ اس سے بھی سوال جواب ہوئے

جن کے اس نے بڑے شریفانہ اور مہذب انداز میں جواب دیے، اس حقیقت سے بے خبر کہ ذرا دیر قبل ابا کے انداز پر اس کا جو حال تھا ویسا ہی حال اس کے انداز پر ابا حضور کا بھی ہوا ہے۔ اچانک داخلی دروازہ آواز کے ساتھ کھلا۔

"ثانی آ گئی۔" سفینہ اٹھ کر باہر نکلیں۔

" کون آیا ہے؟" اس نے جوتے دیکھ کر اشارے سے پوچھا۔

"غفران بھائی۔" سفینہ نے اس کے ہاتھ سے سامان لینا چاہا لیکن وہ تیزی سے ہال میں آئی۔

"السلام علیکم چاچا جان۔" اونچی پرجوش آواز میں کہتے ہی وہ ان کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر سنبھل گئی۔

" وعلیکم السلام بیٹا۔" دونوں ہاتھوں میں تھیلیاں تھامے سامنے کھڑی لڑکی کے سرخ اور گرے جیومیٹریکل پرنٹ والے اسکارف پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔

"آپ نے کہا کیوں نہیں کہ آپ آ رہے ہیں؟

" کچھ دیر قبل اسی نے انہیں ابو کی خراب صحت کی خبر دی تھی۔

" میں مارکیٹ سے جلدی واپس آتی، ابھی آئی۔" وہ دروازے سے چھوٹے سے باورچی خانے میں آ گئی۔ سفینہ اس کے پیچھے تھیں۔

" کون ہے چاچا جان کے ساتھ؟ مجھے بتا تو دیتیں آپ۔" اس نے گوشت، سبزی، پھل اور دیگر سامان کی تھیلیاں دیوار سے ٹکا کر فرش پر رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"وہ ہی کہنے آئی تھی، تم سنتی تب ناں! بیٹھو ان کے پاس غفران بھائی تمہارے ابو کی صحت اور اسپتال کی تفصیل جاننا چاہ رہے ہیں، تم ہی بتاؤ، میں چائے بناتی ہوں۔" اس نے تب تک عبایا اتار دیا تھا۔

اس نے اپنے اور شیبا کے حجرہ سے اپنا دوپٹا اٹھایا اور پلٹی

"کون ہے وہ تو بتائیں۔"

"سبحان ہے، بھائی صاحب کا چھوٹا بیٹا۔"

"اچھا۔" دوپٹے سے پسینہ خشک کرتی وہ ہال میں آئی۔

"آج کالج سے چھٹی کیسے کر لی؟" غفران احمد اس کے جنون سے بخوبی واقف تھے۔

"یہ میرا بیٹا ہے غفران...... " عبدالسمیع کی آواز میں ناز اور کمی دونوں کا امتزاج تھا۔ "مجھے لے کر نیچے اترنا ہی مشکل تھا پھر ٹیکسی اور اس کے بعد اسپتال کے معاملات، سب ثانی نے ہی سنبھالے، کل دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد آج پھر صبح سے میرے سارے کام کرتے نکل کھڑی ہوئی۔"

"ابو!" وہ ناراض سی ان کے بازو میں بیٹھ گئی۔ "بیٹا کہہ کر مجھے کم تر ہونے کا احساس نہ دلائیں، کیا میرا بیٹی ہونا کافی نہیں؟"

"نہیں بیٹا...... " عبدالسمیع نے تڑپ کر بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "تم تو میرا غرور ہو۔"

شکر تھا اس وقت دادی پڑوس میں گئی تھیں ورنہ وہ اس غرور کو شرمندہ کرنے کم از کم ایک جملہ تو داغ ہی دیتیں۔

" ثانیہ بیٹا کو دیکھ کر میں اکثر سوچتا ہوں، کتنا اچھا ہوتا اگر اللہ دوسرے بیٹے کی بجائے بیٹی جیسی رحمت سے نواز دیتا۔" ابا کا مسکرا کر ادا کیا گیا جملہ اسے سلگا گیا۔

"ایسا نہ کہیں بھائی صاحب، ماشاء اللہ بڑے قابل اور سمجھدار بیٹے ہیں آپ کے، یہ بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔" سفینہ نے دروازے سے جھانک کر کہا۔

ماں کے لہجے میں واقعی حسرت تھی یا نہیں لیکن اسے محسوس ہوئی۔ اس نے پہلو بدلا اور سبحان نے مسکرا کر سفینہ کو دیکھتے ہوئے بھی ثانیہ کا انداز نوٹ کیا۔

"اور کتنے سمسٹرز باقی ہیں؟" غفران احمد نے پوچھا اور سبحان نے جل کر سوچا۔

"اونہہ! اچھے لوس رہی لام لائٹ اچھا نہیں لگ رہا اس لیے بات بدل رہے ہیں۔"

"یہ لاسٹ سمسٹر ہے۔"

"آگے کیا ارادہ ہے پھر؟"

"جاب کرنا ہے چاچا جان، ساتھ ہی ماسٹرز بھی۔"

"یہ اس کے ارادے ہیں،" ابو مسکرائے۔ "مجھے تو امتحان ختم ہوتے ہی اس کی شادی کرنی ہے بس یہ راضی ہو جائے۔"

"ابو۔۔!" وہ احتجاجاً منہ بنا کر گویا ہوئی۔

"میں نے جاب سے منع تو نہیں کیا، شادی کے بعد کرتی رہنا۔"

وہ علی الاعلان اپنے منصوبے اور مقاصد بتانے والی نہیں تھی سو چپ رہی۔ جہاں شادی ہوگی ان سے پہلے ہی وعدہ لے لوں گا۔"

"اس گھر پر اللہ کا خاص کرم ہوگا جہاں ہماری ثانی جائے گی۔"

باپ کی بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر سر جھکا کر بیٹھی ثانیہ کو۔ ایک دم اسے پلیٹ فارم پر سنی باتیں یاد آ گئیں۔ تبھی سفینہ چائے اور دیگر لوازمات لے کر آ گئیں۔

"بھابھی! ابھی ناشتا کر کے ہی گھر سے نکلے تھے۔"

"اسی لیے کچھ نہیں بنایا بس چائے اور کچھ بسکٹس ہی ہیں۔"

وہ سب جوان ملاقاتوں کے عادی تھے، باتوں کے دوران اس کی موجودگی یکسر فراموش کیے تھے۔ غفران احمد ثانیہ سے اسپتال کی تفصیل اور آئندہ کے لیے ڈاکٹرز کی ہدایات سن رہے تھے جس نے کچھ مفصل ٹیسٹ کرنے کو کہا تھا۔ اس کے اٹھ جانے کے بعد عبدالسمیع نے اس کے لیے موجود دو رشتوں کے متعلق بتایا کہ ثانیہ جہاں ہاں کر دے وہ فوراً شادی کر دیں گے۔ اپنی بیماری اور گرتی صحت انہیں جلد سے جلد بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونے کو کہہ رہی تھی۔

آخر انہیں اٹھنے کا خیال آ ہی گیا۔

"ثانی بیٹا! اپنا نمبر دے دو اور میرا لکھ لو، خدانخواستہ پھر کوئی ایسی ایمرجنسی کی نوبت آئے تو فوراً کال کرنا، وقت بے وقت کا خیال نہیں کرنا۔"

انہوں نے اپنا نمبر اسے بتایا جو اس نے محفوظ کر لیا۔

"میں کال کر رہی ہوں آپ سیو کر لیں۔" ثانیہ نے کال ملائی۔

"سیو کر دو۔" انہوں نے فون کبھان کی سمت بڑھایا۔ اس نے فون ان کے ہاتھ سے لے کر کال رد کی اور نمبر اس کے نام سے محفوظ کرنے کے بعد اپنا کام بھی کر لیا۔

خاموشی سے سب کی باتیں سنتے اور جائزہ لیتے ہوئے بجلی کے کوندے کی طرح لپکا ایک خیال اس کی آگے کی راہیں روشن ہونے کے امکان پیدا کر گیا تھا۔

ابا کو کارخانہ چھوڑ کر اس نے منیب کو فون کر کے بلایا اور اس کے ساتھ نکل گیا۔ اس مسئلے کا حل جو وہ سوچ رہا تھا وہ کسی سے شیئر کرنے لائق نہیں تھا۔ منیب اور عارف کے ساتھ کچھ وقت گزار کر وہ گھر آ گیا۔ جہاں یہ خوش خبری ملی کہ پھوپھو کے سسرال میں کوئی فوت ہو گیا ہے اس لیے آج ان کی آمد ممکن نہیں۔

"تم کیا ان کے لیے جلدی گھر آ گئے؟" ثمرہ نے اسے چھیڑا۔

"اپنی گاڑی کی چابی لینے آیا ہوں۔" اس نے جتایا۔

"کیسے ہیں انکل؟"

"کون؟"

"عبدالسمیع انکل، تم ماموں کے ساتھ جن کے گھر گئے تھے۔"

"اچھا۔۔ وہ اچھے ہیں۔ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے ہیں۔" وہ آج پہلی بار اس 'فیملی فرینڈ' فیملی سے ملا تھا جس سے سب واقف ہی نہیں بلکہ بے

تکلف بھی تھے۔

"شکر ہے۔ اچھا تم آہی گئے ہو تو اب کھانا کھا کر جانا، تمہارے فیورٹ پائے بنے ہیں۔" نضرہ نے کہا تو وہ سر ہلا کر مان گیا۔ اسے دراصل یکسوئی سے بہت کچھ سوچنا تھا۔

بڑی دیر تک کمرے میں ٹہل ٹہل کر اس نے آخر یہ رسک لینے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

☆☆☆

"تمہارے اس وڑا پاؤ کے چکر میں چار چالیس والی چھوٹ جائے گی۔" ثانیہ نے گھڑی دیکھنے کے بعد دانت سے ہری مرچ کترتی خوشنما کو دیکھا۔ منٹ منٹ کے فرق سے ٹرین میں بھیڑ کم از کم سو کے تناسب سے جو بڑھتی تھی۔

پانچ سات والی سے چلیں گے ناں۔"

"ساتھ لے لیتی یہ دوہرا۔"

"بی بی! اس ٹائم لٹکنے کی جگہ مشکل سے ملتی ہے، کھانے کا موقع خاک ملے گا۔"

"بھیا! ایک چائے دینا۔" ثانیہ نے آواز لگائی کہ اتنی دیر میں وہ چائے تو پی ہی سکتی تھی۔ اسے وڑا پاؤ سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔

"اور کچھ مہینے بس پھر ترس جائیں گے ہم۔" چرچ گیٹ اسٹیشن کے باہر اس اسٹال والے وڑا پاؤ کا ذائقہ خوشنما کو ساری ممبئی میں اور کہیں نہیں ملتا تھا۔

اس نے چائے کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ تب ہی فون سے پیغام کی مخصوص آواز آئی۔ اس نے عبایا کی جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا۔

"میں سبحان، کیا ہم اس وقت مل سکتے ہیں؟" انجان نمبر سے انگریزی میں سوال تھا۔

"سبحان، ؟" اس نے دل میں دہرایا۔" چاچا جان کا بیٹا۔ الہیٰ خیر کیا ہو گیا اب؟" اس نے چائے کا گلاس واپس رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اس نے گھبرا کر انگریزی میں ہی ٹائپ کیا۔

"سب ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ نہیں......" اسے اپنی غلطی اور اس کی تشویش کا احساس ہوا۔ "تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"کون ہے؟" اس کے چہرے کے بدلتے زاویے دیکھتی خوشنما نے سوال کیا۔

"وہ ملنا چاہ رہا ہے بھی؟" ثانیہ کی نظر فون پر ہی تھی۔

"کون؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"سبحان۔"

"وہ کون؟" اس کی آنکھیں مزید پھیلیں۔

"ابو کے دوست ہے ناں عفران احمد، ان کا بیٹا۔"

"ملنا کیوں ہے اسے؟"

"ضروری بات کرنی ہے کہہ رہا ہے۔"

"فون پر کرلو۔"

ثانیہ نے وہی اسے لکھ کر بھیجا۔

"فون پر بات ہوسکتی تو میں فی الحال کال کرتا یہ میسج نہیں۔"

ثانیہ نے اسکرین خوشنما کے سامنے کی۔

"ایسی کیا بات ہے؟ کب سے جانتی ہو اسے؟ مجھے کیوں نہیں بتایا اور......" ادھر پوزیسو نیلی بیدار ہونے لگی۔

"میں کل ملی ہوں پہلی بار، وہ چاچا جان کے ساتھ ابو سے ملنے آیا تھا۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ثانیہ نے صفائی پیش کی۔

"کل ابو سے ملنے آیا تھا آج ابو کی بیٹی سے ملنا چاہ رہا ہے۔" اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح آنکھیں گھمائیں۔ نیلی ان حالات میں مشکوک ہو تو بڑی خطرناک لگتی ہے، ثانیہ نے دل میں مانا۔

"وہی تو! کیا جواب دوں اسے، یہ بتاؤ؟ ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔" اس نے خوشنما کے تیور درست کرنے کی سعی کی۔

"پوچھو تو، ایسی ویسی نہیں تو کیا بات ہے؟" ثانیہ نے یہی لکھ بھیجا۔

"تم ابھی کہاں ہو؟" جواب میں اس نے پوچھا۔

"واہ! وہ پوچھ رہا ہے میں ابھی کہاں ہوں۔ ایسا فلرٹ اور نظر باز لگ تو نہیں رہا تھا، اسے یہ بھی ڈر نہیں کہ میں اس کے ابا سے شکایت کر دوں گی۔" وہ اس کے پیغام پر نظر جمائے بڑبڑا رہی تھی۔

بلاک کر دوں نمبر؟" اس نے خوشنما کی رائے طلب کی۔"

"بالکل نہیں، رکو۔" اس نے اسٹال والے کو پیسے دیے اور ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔

"کہو اسے تم ابھی گھر جا رہی ہو، کیا بات ہے وہ کہے پھر سوچوں گی ملوں یا نہیں۔"

"اتنا سب کچھ؟ انکار کر دیتی ہوں صاف۔"

"تمہیں تجسس نہیں وہ کیا بات کرنا چاہتا ہے؟"

"کل پہلی بار وہ گھر آیا تھا ابو کی مزاج پرسی کے لیے، چاچا جان نے کل ہی میرا نمبر لیا، کیا پتا کچھ کام کی بات ہو۔ ابو کے متعلق کوئی بات ہوئی تو؟" وہ سوچ سوچ کر کہنے لگی۔

"چاچا جان سے نمبر لیا ہوگا اور ان سے لیا ہے تو فضول بات یا حرکت نہیں کرے گا لیکن ایسی کیا بات ہے جو مجھ سے ہی ہو سکتی ہے؟"

دوسری طرف سے کئی سارے سوالیہ نشان آئے۔

"میں چرچ گیٹ اسٹیشن کے باہر ہوں۔" اس نے لکھا۔

"پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" قریبی کیفے کے نام کے ساتھ اس کا پیغام آیا۔

"جاؤ، سن لو۔" خوشنما نے فون سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم بھی چلو ساتھ، میں اکیلے نہیں جا رہی۔"

"امی کو شادی میں جانا ہے کہا تو تھا، مجھے ہر حال میں چھ بجے تک گھر پہنچنے کا حکم ہے۔" تم آٹو سے جاؤ۔" خوشنما نے معروف سڑک کی سمت رخ کیا۔"

"خوشی...!"

"کیا؟"

"اس نے ملنے کو کہا اور میں سچ میں چلی جاؤں؟"

"وہ تمہیں پروپوز کرنے نہیں بلا رہا، اس لیے ہیروئنوں والے نخرے نہ کرو، رکشا...!" قریب آرہی آٹو رکشا کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے کے ساتھ اس نے آواز بھی لگائی وہ پھر بھی نہیں رکا۔

"میں پیدل ہی چلی جاؤں گی، یہیں تو ہے۔"

"اچھا۔ جاؤ میں نکلتی ہوں، مجھے فون کرنا بات ہوتے ہی۔" ثانیہ نے سر ہلایا۔

"اف! پانچ سات کی بھی نکل نہ جائے۔" اس نے گھڑی دیکھی اور اندر کی سمت دوڑ لگائی۔

ثانیہ نے بیگ کندھے پر درست کیا اور کیفے جانے کے لیے راستہ عبور کر کے دوسری سمت آگئی۔

اندر داخل ہوتے ہی کیفے کے خواب ناک ماحول میں اسے عجیب احساس نے گھیرا۔ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ اس اعلیٰ درجے کے کیفے میں آئی تھی۔ وہ دروازے کے عین سامنے والی خالی میز پر بیٹھ گئی اور فون نکال کر اس کے پیغام پھر پڑھنے لگی۔ پہلی آمد، ایک روبرو ملاقات، برائے راست صفر بات اور اگلے ہی دن ملاقات کی فرمائش کا پیغام، صرف پیغام ہی نہیں وہ کیمپس کے آس پاس ہی موجود بھی تھا ورنہ پندرہ منٹ میں کیفے کیسے پہنچتا۔ اس کا ذہن اسی میں الجھا تھا کہ ابو کے متعلق کوئی بات نہ ہو کیوں کہ کل غفران احمد نے اسپتال اور ڈاکٹرز کا نام بھی نوٹ کیا تھا۔

"السلام علیکم۔" سمعان کرسی کھسکا کر اس کے مقابل بیٹھا تو اس نے فون جیب میں ڈالا اور سلام کا جواب دیا۔

"سوری! تمہیں ویٹ کرنا پڑا۔"

اس بے تکلفی پر اس کی بھوئیں چڑھ گئیں۔ انگریزی میں بندہ آپ جناب کر رہا ہے یا تو تڑاک

کچھ پتا نہیں چلتا لیکن یہ 'ڈھیل' اردو میں کہاں۔

"ٹریفک۔ ورنہ تم سے پہلے پہنچ گیا ہوتا۔" وہ کچھ کہتی اس سے پہلے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

"میں کافی لے آتا ہوں۔"

کیفے میں بیرے نہیں تھے بلکہ اپنی خدمت آپ کا اصول تھا۔ وہ منع کرتی تب تک وہ کاؤنٹر تک پہنچ چکا تھا۔

"میں نے غلطی تو نہیں کی یہاں آ کر؟" اس نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "عجیب انسان ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ ٹرے میں دو کپ لیے واپس آیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور کرسی سنبھال کر اپنے کپ سے ایک گھونٹ بھر کر اپنے آگے رکھ لیا۔

"مجھے یہاں کیوں بلایا؟"

"کہا تو تھا بات کرنی ہے۔"

"تو کریں۔"

سحبان نے مقابل کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔ یہ ہی اب اس کا آخری سہارا تھا۔ وہ خود کو جتنا پر اعتماد ظاہر کر رہا تھا مقابل اتنا ہی سرد تھا۔ 'مطلب تو اس کا بھی پورا ہو گا۔' یہ سوچ اسے حوصلہ اور تسلی دے رہی تھی۔

کافی کا دوسرا گھونٹ حلق سے نیچے اتار کر اس نے گلا صاف کیا۔

"کچھ دن پہلے میں نے چرنی روڈ اسٹیشن پر تمہاری اور تمہاری دوست کی باتیں سنی تھیں اور کل تمہیں اس۔" اس نے اس کے اسکارف کی سمت اشارہ کیا۔ "اسکارف کی وجہ سے پہچانا۔" ثانیہ جو دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے بیٹھی تھی، ایک دم پیچھے ہوئی۔

"اف! غلطی ہو گئی، یہ تو شریف والدین کی بگڑی اولاد ہے۔" اس نے سوچا۔

"تمہارا اور میرا مسئلہ ایک ہی ہے اور ہم دونوں چاہیں تو ایک دوسرے کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا اور ثانیہ کو پورا خبیث لگا۔

"اور کیا ہے میرا مسئلہ؟" ثانیہ نے دونوں ہاتھ باندھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اچھے رشتے کی شاپنگ!"

سحبان کا جتاتا تبسم اور یہ چار الفاظ، وہ بری طرح چونکی اور غیر محسوس انداز میں پھر آگے آئی۔ پل میں ہی اس کا دماغ گھوم گیا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو پھر ری ایکٹ کرنا۔"

ثانیہ کے کانوں اور منہ سے دھواں تو نہیں نکل رہا تھا مگر اس کے چڑھتے پارے کی تپش اسے ٹھیک ٹھاک محسوس ہو رہی تھی اس لیے فوراً ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ثانیہ نے کھلا منہ سختی سے بند کیا۔

"تمہارے اور میرے پلانز میں شادی شامل نہیں لیکن ہمارے گھر والے پہلی فرصت میں ہماری شادی کروانے کے در پہ ہیں۔ میری ساری کوششیں اس بارے بے کار ہیں، ابا نے ٹھان لیا ہے۔ ایسا ہی کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ چوں کہ شادی ہمارے پلانز میں نہیں اس لیے ہم ایک دوسرے سے شادی کر لیتے ہیں۔"

اس کے اندر "یعنی، ۔۔۔ مطلب، ۔۔۔ کچھ بھی، ۔ حد ہے، ۔۔۔ کچھ کیا ہی ہے مجھے، ۔۔۔ عقل ٹھکانے تو، ۔۔۔ شکل سے تو صحیح الدماغ، ۔۔۔ یہ چاچا جان کے گھر ہی پیدا، ۔۔۔ سمجھتا کیا ہے خود کو۔" جملوں اور باتوں کا یک بیک سیلاب آیا جنہیں مکمل ہونے اور باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل سکا۔ اندر ہی اندر ثانی تلملا رہی تھی، پھٹ پڑنے کو بے قرار تھی۔

"ذرا سوچو......" سحبان میز پر ہاتھ رکھ کر آگے ہوا۔ "سر پر لٹکتی تلوار ہٹ جائے گی، گھر والے پیچھا چھوڑ دیں گے، شادی کے بعد تم وہ کرو جو تمہارے پلانز ہیں، میں وہ کروں جو میں چاہتا ہوں، ہم ایک دوسرے سے نہ کوئی ایکسپیکٹیشنز رکھیں، نہ ڈیمانڈز، نہ کوئی روک ٹوک، ایک دوسرے کو اپنی اسپیس دیں اور خوش رہیں۔"

"یہ کسی فلم یا سیریل کا اسکرپٹ تو ہو سکتا ہے، اصل زندگی میں، پریکٹیکلی ناممکن ہے، آپشنل لاسٹ والا۔ اور خوش رہیں۔" اس نے بڑے ضبط سے کہا۔

"سب کچھ ممکن ہے، ابا کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا بلکہ وہ خوش ہوں گے، مجھ سے زیادہ پیار سے وہ تم سے بات کر رہے تھے......" کچھ منظر اور دکھ بھولتے نہیں۔ "تمہاری فیملی کے لیے بھی موجودہ دو آپشنز سے بہتر یہ تیسرا ہوگا۔"

ثانیہ کو اس وقت وہ انتہائی خود پسند، مغرور اور حاسد لگا۔

"سب سے پہلے تو تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں دوسرا......" شکر تھا اردو میں آپ جناب اور تو تڑاک کی تمیز ہو سکتی ہے۔ "کسی کی باتیں سننا انتہائی غیر اخلاقی قدم ہے اس پر......"

"کم آن ثانیہ!"

سحبان اسے کرنٹ پر کرنٹ دیے جا رہا تھا۔ اس سہولت سے اس کا نام لیا تھا اس نے کہ اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ "یہ پلیز مورال پولیس نہ بنو، اب تم کتابی بلکہ فلمی ہو رہی ہو۔"

ثانیہ کا دل کیا آگے رکھا کافی کا کپ اس کے سر پر دے مارے۔ اس کی تجویز سے زیادہ فلمی بات اس نے آج تک نہ سنی تھی اور وہ اسے فلمی کہہ رہا تھا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟ صحیح غلط کی بحث کے علاوہ کہو۔"

ثانیہ نے آنکھیں موند کر، دو تین لمبی سانسیں لے کر ذرا دیر خود کو سنبھالا، سمجھایا اور پھر اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہمارے معاشرے میں شادی دو افراد میں نہیں بلکہ دو خاندانوں کے بیچ ہوتی ہے، ایکسپیکٹیشنز، ڈیمانڈز، روک ٹوک بھی فیملیز کی جانب سے ہوتی ہیں، شادی کوئی معاہدہ نہیں کہ......"

"اسلام میں شادی دو افراد کے بیچ کا معاہدہ ہی ہے......" سحبان نے اس کی تقریر کے درمیان قطع کلامی کی۔ "اور باقیوں کو ہم مل کر سنبھال سکتے ہیں، ہم نارمل کپل کی طرح بی ہیو کریں گے تو انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"جب شادی ہی نارمل نہیں تو نارمل کپل کی طرح کیسے بی ہیو کریں گے؟ ایک دو دن کی بات نہیں، اور یہ کب تک؟ ساری عمر تو ہم یوں نہیں رہ سکتے۔ کل کو تمہیں کوئی اور پسند آ گئی، کسی سے محبت ہو گئی تو کیا؟ یہی میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔"

سحبان کو خوشی ہوئی وہ اس پر بات تو کر رہی تھی۔

"تو ہمارے پاس الگ ہونے کا آپشن تو ہمیشہ رہے گا۔"

"یا اللہ...!" اس نے پہلو بدل کر ہتھیلی ماتھے پر رکھی۔ "تم غور تو کرو کیا بول رہے ہو۔ شادی مال سے خریدی کوئی چیز نہیں جس کے ساتھ ریٹرن پالیسی ہو۔"

"دیکھو، میں بالکل رومانٹک نہیں، یہ محبت وحبت میرے بس کا روگ نہیں، تمہارے ساتھ ساری عمر گزار سکتا ہوں، تمہیں کسی سے ہو جائے تو..."

"لیکن میں بہت رومانٹک ہوں اور تم مجھ جیسی رومانٹک بندی کو ایسے انسان سے شادی کرنے کا کہہ رہے ہو جسے محبت نہیں ہو سکتی۔ اور، اور ایک لڑکی سے کہہ رہے ہو مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکتی اس لیے مجھ سے شادی کر لو... ہا!!" دل کے تیور خطرناک ہوئے۔

"ایسا تو نہیں کہا۔"

"بالکل یہی کہا ابھی تم نے۔"

"اس کا مطلب ہے تم ساری عمر اس فکر سے آزاد رہو گی کہ مجھے کسی سے محبت تو نہیں ہوئی، میرا کہیں افیئر تو نہیں۔"

"افیئر میں محبت لازمی نہیں ہوتی، یہ تو......"

"ایسے معاملات میں میرا علم زیرو ہے۔"

"میں بھی کوئی ایکسپرٹ نہیں۔"

"ابھی تم نے خود کو رومانٹک کہا۔"

"رومانس اور 'ایسے معاملات' الگ چیز ہے۔"

"اچھا! تم بہتر جانتی ہو۔"

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تم جو سوچ رہے ہو وہ ناممکن ہے۔"

کوئی جہاندیدہ اس وقت انہیں دیکھ لیتا تو خبر کرتا کہ وہ اس وقت بھی 'نارمل کپل' کی طرح بی ہیو کر رہے ہیں۔

"ناممکن نہیں، مشکل ہو سکتا ہے، وہ بھی ہم......"

"پلیز، مجھے شامل نہ کرو، کوئی اور دیکھو جو اس پاگل پن میں تمہارا ساتھ دے......"

"ابھی جواب نہ دو، کچھ دن سوچو، کچھ ڈاؤٹس ہیں تو بتاؤ، ہم طے کرلیں تو کر سکتے ہیں۔ سب کے لیے وِن وِن پچویشن ہوگی۔"

وہ جس آرام دہ انداز میں کہہ رہا تھا ثانیہ کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہمیں کسی سے محبت ہی نہ ہوئی تو؟"

"ایسے ہی ساتھ رہ لیں گے۔"

"ایسے ہی؟ کیسے؟ اپنی اپنی الگ دنیا میں؟"

"جیسے اور میریڈ کپل رہتے ہیں۔"

"بنا محبت کے؟"

ثانیہ کے سوال پر اس نے شانے اچکائے۔ اندر والی ثانی اب اسے خوب تماچے لگانا چاہ رہی تھی۔

"اتنی دور کا کیوں سوچیں ابھی سے، دیکھا جائے گا۔"

"چاچا جان کی پسند سے کر لو نا پھر شادی کیوں اتنا سوچ رہے ہو، دیکھا جائے گا۔"

"یہ دیکھا جائے گا اور وہ دیکھا جائے گا میں بہت فرق ہے۔"

"جو تم سوچ رہے ہو، یہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ ان گنت مسائل کی شروعات ہوگی۔"

"ایسا نہیں ہے، سب سے پہلے تو ہم دونوں کے ابا سب سے زیادہ خوش ہوں گے۔"

"اور کتنی غلط بات ہے کہ ہم انہیں دھوکا دیں، ان کے جذبات سے کھیلیں، چاچا جان ابا کے واحد دوست ہیں وہ بھی بچپن کے، میں کسی بھی حال میں ان کے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہوں گی۔"

"تم بہت منفی سوچ رہی ہوں، ٹھنڈے دماغ سے سوچو نہیں اور شادی ہوگئی تو نہ پڑھ پاؤ گی نہ جاب کے بعد گھر والوں کو سپورٹ کر سکتی ہو، شادی بھی وہاں جو تمہیں پسند نہیں۔"

"پسند تم بھی نہیں آئے مجھے۔" اس نے ترنت کہا۔

"باقی تو تمہاری مرضی ہے ہوگا ناں......"

سبحان نے ذرا برا نہیں منایا۔ "تعلیم، جاب اور جو چاہو، آگے کوئی پسند آ بھی گیا تو میں......"

"بس۔ بس......" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"یہ سب سننا ہی اچھا نہیں لگ رہا مجھے اور تم چاہتے ہو میں اس پاگل پن میں تمہارا ساتھ دوں......" اس نے کرسی کے پیچھے لٹکا اپنا بیگ اٹھایا۔

"تم نے اپنی بات کہہ دی اور میرا جواب نہ ہے۔" وہ اٹھنے لگی تھی کہ کسی خیال کے تحت پھر بیٹھ گئی۔

"میرے پلان تو تم نے سن لیے تھے لیکن تم کیوں شادی نہیں کرنا چاہتے؟"

اس کے سوال پر خواہ مخواہ ہی سبحان کی امید بندھ گئی۔

"میں اپنی آزادی نہیں کھونا چاہتا، اس لیے تمہاری آزادی کی اہمیت بھی سمجھتا ہوں۔" اس نے جال پھینکا۔

"ہم۔ تو میرے فیصلہ کرنے کی آزادی کا احترام کرو اور اب مجھے میسج مت کرنا۔" وہ بیگ دائیں شانے پر لٹکا کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی کافی جو کی توں پڑی سرد ہوگئی تھی۔ وہ بھی کرسی چھوڑ چکا تھا۔

"اوکے......" وہ مسکرا رہا تھا اور ثانیہ کو غصہ

”لیکن تم سوچو ضرور اور اگر ارادہ بدل جائے تو آگاہ کر لینا۔“

”تمہیں کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ تم بہت اوور کانفیڈنٹ ہو؟“

”اونہوں.......“ اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔ ”لیکن تمہیں ابھی بتا سکتا ہوں کہ تم بہت جلد باز ہو، سوچے سمجھے بنا فیصلے کرنے والی، اوور کانفیڈنٹ!“

”ایک ملاقات میں غلط اندازے ہی لگائے جا سکتے ہیں، میں حقیقت پسند ہوں، اوور کانفیڈنٹ نہیں۔“ اس نے طنزیہ تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔

”تمہیں اسٹیشن چھوڑ دوں؟“ اپنی بائیک کی طرف جاتے ہوئے اس نے پیشکش کی اور ثانیہ کو پہلی بار اس کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہوا۔

”یہ الٹرا ماڈرن فرنگیوں کے دیس میں رہ کر آیا ہے یا انتہائی گھٹیا قسم کا فلرٹ ہے۔“ اس نے رائے قائم کر لی۔ وہ اپنی ’کے ٹی ایم‘ کے پاس کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا۔

”میں ٹرین سے نہیں جاؤں گی، سامنے بس اسٹاپ پر میرے روٹ کی بس مل جائے گی۔“ اس نے بس اسٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔

سبحان کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ چاچا جان کا بیٹا ہونے کی اسے کس قدر رعایت مل رہی ہے ورنہ تو ثانیہ بی بی ’ایسوں‘ سے دو دو ہاتھ کرنے ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔

”اوکے، تمہارے میسج کا انتظار رہے گا۔“ اس نے ہیلمٹ پہنتے ہوئے کہا۔

”چاچا جان کی بات مان لو یا انہیں قائل کر لو، یہی اس کا حل ہے اور دوسرے فضول پلان نہ بناؤ۔“ یہ مخلصانہ مشورہ رعایت نمبر دو تھا۔

”میرے جیسا ہیلپ فل اور انڈر اسٹینڈنگ بندہ ساری دنیا میں نہیں ملے گا، تھنک، تھنک!“ اس نے کہا اور بائیک آگے بڑھا لے گیا۔

”پارٹنر۔ لاحول! اور اس بائیک پر کیسے کوئی پیچھے بیٹھے گا؟ پچھلا تو اگلے کی پیٹھ پر ہی سوار ہو سکتا ہے۔“ دور جاتی بائیک کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

بس اسٹاپ پر کھڑی وہ نئے سرے سے اس کی بکواس یاد کر کے کڑھتی رہی۔

”بے حد فلمی لڑکا ہے۔ بے وقوف بھی، خود کو چالاک سمجھتا ہے مگر ہے عقل سے پیدل۔ یا تو بہت بڑا کھلاڑی ہے۔ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن چاچا جان کا بیٹا اور ایسا؟ ثوبان بھائی تو نہیں ایسے۔ پیسہ اور لاڈ اتنا کیا اس سے بھی زیادہ بگاڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میں چاچا جان کو اس حرکت کا بتا دوں؟ یا ابو سے کہہ دوں؟“

بس کی بھیڑ میں سر کے اوپر والا ڈنڈا پکڑے بس کی رفتار اور سڑک کے گڑھوں کے ساتھ جھومتے ہوئے اس کا دماغ بھی مسلسل چل رہا تھا۔ جیسے ہی بیٹھنے کی جگہ ملی اس نے خوشنما کو فون لگایا۔

”پروپوز کرنے ہی بلایا تھا اس نے!“ اس کی ہیلو کے جواب میں اس نے جیسے بم گرایا۔

”ہاااا!“

سب کچھ سننے کے بعد خوشنما نے دوسرا بم گرایا۔

”اس کا پروپوزل ویسے کچھ غلط بھی نہیں۔“

”اچھا، تمہارا نمبر دے دیتی ہوں ان کو۔“ ثانیہ نے دانت پیسے۔

”میں تو دل و جان سے شادی کے لیے تیار ہوں اس لیے میں اس کے کسی کام کی نہیں۔“

”یعنی میں اس کے ’کام‘ کی ہوں؟“ اس نے کام کو جیسے چبایا۔ خوشنما ہنسنے لگی۔

گھر پہنچنے تک ان دونوں کی باتیں جاری تھیں۔

☆☆☆

اس نے سوچا تھا اصل بات تو نہیں مگر وہ اتفاق سے سبحان سے ملی ہے، یہ گھر میں بتا دے گی۔ گھر پہنچا

تو بشریٰ آپا اور بچوں کی موجودگی میں اسے موقع ہی نہیں ملا۔

رات کے کھانے کے بعد اپنے حجرے میں وہ دادی، بشریٰ آپا، امی اور ابو کی باتیں سنتی رہی تھی۔ بشریٰ آپا کی اپنے دیور کی وکالت اور دادی کی اپنے پوتے کی تعریفوں کے بیچ اسے احساس تھا کہ جلد ہی اسے اور ابو کو حتمی فیصلہ کرنا ہوگا۔ ابو نے سب کو اس کے امتحان ختم ہونے تک چند ماہ کے لیے روک رکھا تھا۔

اگلے دن کالج سے گھر پہنچی تو پھوپھو مع اپنے سپوت کے موجود تھیں۔ ماحول کا تناؤ اس سے چھپا نہیں رہا۔ عبایا اتار کر وہ ہاتھ منہ دھونے جا رہی تھی کہ شیبا نے اندر آ کر سلائیڈنگ بند کی اور اس کے فون کی طرف اشارہ کر کے خود اپنے فون میں لکھنے لگی۔ یہ خاص موقعوں پر ان کا ہتھیار تھا۔ گھر اتنا چھوٹا تھا کہ زیادہ افراد کی موجودگی میں آوازیں چھپانا یا سرگوشی کرنا مشکل ہوتا تھا۔ مہمانوں کی موجودگی میں ان کے متعلق کچھ کہنا ہوتا یا ان سے کچھ چھپانا ہوتا تو وہ ایک دوسرے کو فون پر پیغام بھیجتی تھیں۔

قدرے طویل بات لکھ کر اسے بھیجنے کے بعد شیبا نے اسے دیکھا جواب فون میں وہ ہی سب پڑھ رہی تھی۔

"بیوقوف! کون دروازے کے سامنے کی میز پر بیٹھتا ہے؟" کونا نہیں ملا تھا تمہیں؟ جواد بھائی نے کل تمہیں کیفے میں دیکھا تھا اور آج وہ ثبوت یعنی تصویروں کے ساتھ آئے ہیں۔ پھوپھو، ابو امی کو بہت سنا چکیں۔ بھائی کی عزت رکھنے کے لیے اب وہ احسان کے طور پر اپنا بیٹا پیش کر رہی ہیں۔ دادی کا نہ پوچھو، اور بشریٰ آپا کا راگ الگ۔ ابو سب کے سامنے تم سے سچ سننے کے منتظر ہیں۔"

ثانیہ کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ اس کے ماں باپ اس کی وجہ سے کیا کیا سن چکے ہوں گے، اسے اندازہ تھا۔ لائق بیٹیوں کے لیے ان کی وجہ سے ماں باپ کے جھکے سر سے بڑا کوئی سانحہ نہیں ہوتا۔

"ثانی بیٹا!" ابا کی آواز پر اس نے فون چھوٹی سی میز پر رکھا۔

"گھبراؤ نہیں، جواد بھائی اب کبھی اس گھر میں نہیں آئیں گے۔" اس نے آہستہ سے شیبا سے کہا اور سلائیڈنگ دھکیل کر باہر نکلی۔ وہ ہال میں آئی اور سب کی تاسف بھری اور الزام تراشی کرتی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔

"کون ہے یہ؟" پھوپھو سے صبر نہیں ہوا۔ ہاتھ میں پکڑے فون سے تصویر نکال کر انہوں نے اس کے سامنے کی۔ دوسروں کو شرمندہ کرتے اور ان کا جھکا سر دیکھنا کچھ لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے اور یہ منظر دیکھنے کی خواہش انہیں بے صبرا بنا دیتی ہے۔

وہ سکون سے صوفے پر ابو کے قریب بیٹھ گئی۔

"ابو آپ نے پہچانا نہیں؟ یہ سبحان ہے، چاچا جان کا بیٹا۔" اس نے انہیں یوں مخاطب کیا جیسے کوئی تیسرا کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

اچھا، سبحان۔" ابو نے پھوپھو کے ہاتھ سے فون لے کر تصویر زوم کی۔

"یہ ایسی بات نہیں تھی کہ میں گھر آتے ہی آپ یا امی سے کہہ دیتی۔" اس نے گردن موڑ کر سفینہ کو دیکھا۔

"لیکن اس تصویر یا ملاقات کو جس طرح یہاں سب آپ دونوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، شرم حیا احترام میں طاق پر رکھ رہی ہوں...... "اس نے ذرا رک کر جواد کو گھورا، دوسری جتاتی نظر پھوپھو پر ڈالی اور پھر اپنی ہتھیلیوں پر نظر جما دی۔" کل کالج سے آتے وقت مجھے سبحان کا میسج ملا کہ اسے مجھ سے کوئی بات کرنی ہے اور اگر وقت ہے تو میں قریبی کیفے میں مل کر اس کی بات سن لوں۔ مجھے لگا آپ کے متعلق کوئی بات ہوگی کہ وہ اس دن چاچا جان کے ساتھ پہلی بار آپ سے ملنے آیا تھا اور تب ہی اسپتال اور ڈاکٹرز کے متعلق سب پوچھا تھا، مجھے لگا وہ دونوں ان سے ملے ہوں گے اور خدانخواستہ کوئی پریشانی

والی بات نہ ہو جو وہ آپ سے نہیں کہہ سکتے اس لیے مجھے بلایا ہے۔ لیکن بات کچھ اور تھی۔ سحبان نے آپ سے اس دن میرے دو پرپوزل کا سنا تھا اس لیے وہ اپنے متعلق میری رائے جاننا چاہ رہا تھا تاکہ اگر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو وہ چاچا جان سے بات کرے اور پھر وہ آپ سے، اس بات کا جواب میں نے اسے یہ دیا کہ اس معاملے کا مکمل اختیار میرے والدین کو ہے، یہ فیصلہ انہیں کرنا ہے، میری کسی کے متعلق کوئی رائے نہیں ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر ابو کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی تھی۔ آخری بات کے علاوہ اس نے غلط تو کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کا اعتماد اور بات ہی ایسی تھی کہ فوراً کوئی کچھ نہیں بول سکا۔

"مجھے کیا پتا تھا اس معمولی بات کا اتنا بڑا، پنگو بن جائے گا۔ جواد بھائی آپ تصویر لینے کے بجائے اندر آ کر وہیں پوچھ لیتے!" اس نے سامنے بیٹھے جواد کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"یہ کوئی شریفوں کا طریقہ ہے بھلا کہ لڑکی لڑکا خود ہی اپنے رشتے کی بات کر رہے ہیں؟" دادی سب سے پہلے ہوش میں آئیں۔

"میں کہاں دادی، صرف لڑکا۔" اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

وہاں موجود سب ہی غفران احمد، ان کی حیثیت اور عبدالسمیع سے ان کے تعلقات سے بخوبی واقف تھے۔ جواد اس وقت پچھتا رہا تھا کہ خود پتا لگانے کے بجائے یہ جلد بازی کیوں کی۔ اس دوڑ میں کس کا پلڑا بھاری ہے، یہ کوئی راکٹ سائنس نہ تھا۔

"یعنی سحبان کو تم پہلی ملاقات میں ہی پسند آ گئیں؟" بشریٰ نے ذرا صاف صاف تصدیق چاہی اور سفینہ نے بیٹی کو گھورا۔

"تم جاؤ بیٹا۔" ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی۔ جہاں شیبا اور حبا منہ کھولے، آنکھیں پھیلائیں، کھڑی تھیں۔ پہلے شیبا اس کے قریب آئی۔

"پھر بھی احتیاطاً تمہیں کونے والی میز پر بیٹھنا چاہیے تھا۔" شیبا کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"شیبو آپی! آپ اپنے وقت خیال رکھیے گا۔" حبا نے اسے پلو سے باندھنے والے مشورے سے نوازا۔ ثانیہ اور شیبا نے ایک ساتھ اسے گھورا۔

"ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا!" وہ منمنائی۔

"تم ان باتوں پر اتنا دماغ نہ خرچ کرو، چائے دے دو اب مجھے، آتے ہی عدالت لگا دی۔" وہ اپنے اور شیبا کے مشترکہ حجرے میں آ گئی۔ شیبا اس کے پیچھے تھی۔

"کافی کیسی تھی وہاں کی؟"

"میں نے چکھی نہیں۔"

"ہیں، کیوں؟ سحبان بھائی نے کافی بھی نہیں پلائی؟"

"شیبا! ایسی بات سن کر کے کافی یاد رہے گی؟"

"مجھے کیا پتا، میرے ساتھ ہوگا تب پتا چلے گا۔" اس نے ایک آنکھ دبائی۔

"ذرا اور اونچا بولو تاکہ پھوپھو آج ہی تمہیں بھی نپٹا دیں۔" اس نے مصنوعی تبسم کے ساتھ آنکھیں پٹپٹا کر کہا اور شیبا نے فوراً دونوں ہتھیلیاں منہ پر رکھ لیں۔

"ادھر سے رشتہ آئے تو کوئی بات ہے ورنہ لڑکے تو ایسی دل لگی کرتے رہتے ہیں۔" پھوپھو بڑی مستقل مزاج تھیں۔

غفران کا فون آیا تمہیں؟" دادی نے پوچھا۔

ابھی تک تو نہیں۔" عبدالسمیع کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ جواب سفینہ نے دیا۔

"کیا کرتا ہے ان کا بیٹا؟" پھوپھو! کا لہجہ طنزیہ سا تھا۔ انہوں نے 'اونہہ' کہا نہیں لیکن ان چھ لفظوں کا مفہوم سب نے یہ ہی محسوس کیا۔

"پھوپھو وہ کچھ نہ بھی کرے تو بھی ساری زندگی آرام سے گزر جائے گی اس کی۔"

بشریٰ شاید دیور کے کیس سے دست بردار ہو چکی تھی۔ پھوپھو کی مستقل مزاجی اس میں بھی منتقل

ہوئی تھی کہ وہ اپنا نقصان کبھی نہیں کرتی تھی۔ بہن کو دیورانی بنانے سے زیادہ فائدہ مند بہنوئی کا امیر ہونا تھا۔

"پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ ویسے ابھی یہ ثانی کی کہی بات ہے، باقاعدہ رشتہ آئے تب ہی اس کی سچائی ثابت ہوگی۔"

اندر حبا کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتی ثانیہ کا ہاتھ کانپ گیا۔

"اوکے، تمہارے میسج کا انتظار رہے گا۔" سحبان کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

پھوپھو اور بشریٰ کے جانے کے بعد ابو نے کوئی سوال نہیں کیا لیکن سفینہ نے جس طرح اسے کریدا اور دادی نے جس طرح لتاڑا، خود کو اپنے فیصلوں میں خودمختار سمجھنے اور اپنی مضبوط قوت ارادی پر اترانے والی ثانی کا ذہن اپنی روبدل کر اب سحبان کی بات سوچنے لگا تھا۔ اس نے پہلی بار جانا کہ ہماری زندگی پر ہمارے آس پاس کے افراد اور ان کی باتیں، ہمارے اپنے خیالات سے زیادہ اثرانداز ہوتی ہیں۔

اس کا دل اب بھی سحبان کے منصوبے کے لیے تیار نہیں تھا نہ وہ اس کی کسی بات سے متفق تھی لیکن اب یہ پانچ بہنوں اور بنا بھائی کی ایک بہن کے ساتھ ساتھ پانچ بیٹیوں کے والدین کا مسئلہ تھا، جن کی اس کے علاوہ دو بیٹیاں شادی کے لیے باقی تھیں۔

وہ سوچتی تو سحبان کی بات یاد آتی کہ 'اتنی دور کا کیوں سوچیں ابھی سے، دیکھا جائے گا۔' وہ فون ہاتھ میں لیے سوچتی رہی۔

"زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ میں ایک ان چاہے یا ناکام رشتے سے بندھی رہوں گی اور ناکام تو لو میرج بھی ہو جاتی ہے۔ ایک مضبوط اور امیر گھرانے سے تعلق جڑنے سے شیبا، حبا کی شادی کے وقت فائدہ ہی ہوگا، اللہ! یہ کیا سوچ رہی میں توبہ.....! کہہ دوں اسے کہ چاچا جان کو ابو سے بات کرنے کہے۔؟" اس نے سر تکیے میں چھپایا۔

"ہاں۔ یہ درست تو نہیں، شادیاں ایسے نہیں ہوتیں، دھوکا ہوگا سب کے ساتھ، کبھی کسی کو پتا چل گیا تو؟" ساری رات گزر گئی مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔

☆☆☆

"وہ کیسا ہے؟" اگلے دن ساری روداد سن کر خوشنما نے پوچھا۔

"کیسا ہے مطلب؟" اس غیر متوقع سوال پر وہ حیران تھی۔

"مطلب شکل صورت کیسی ہے؟"

"میں نے غور نہیں کیا اور یہاں اس کی شکل کا کیا ذکر؟"

"لو! ایک بندہ تمہیں شادی آفر کر رہا ہے اور تم نے اس کی شکل پر غور ہی نہیں کیا؟" اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

"بی بی جی! یہ آفر اتنی قابل غور تھی کہ باقی کہیں اور کرتے 'غور' بچا ہی نہیں تھا۔"

"کاش میں بھی چلتی تمہارے ساتھ!"

"اب میں کیا کروں یہ بتاؤ۔"

"اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں، ہینڈسم اور اسمارٹ ہے یا ایویں ہی تھا کہ برابر گھاٹے کا سودا نہ ہو۔ کم از کم شکل تو اچھی ہو کہ اس کے سہارے زندگی گزر جائے۔"

"میں سیریس ہوں خوشی، کیا کروں فیصلہ نہیں کر پا رہی ہوں۔ سب کے سامنے کہہ دینے کے بعد اب اس طرف سے کوئی بات ہونا ضروری ہے۔"

"غفران انکل فیملی فرینڈ ہیں، سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ سحبان کے علاوہ تم سب سے ملی ہو، اچھے لوگ ہیں، سحبان کی اس بات کو چھوڑ کر اگر یہ رشتہ آتا تو کیا ہوتا؟"

"ابو امی تو فوراً ہاں کر دیتے۔"

"اور تم؟"

"پتا نہیں، مجھے تو شادی ہی نہیں کرنا ہے

ابھی۔"

"سوچو تمہارے ابو تم سے پوچھتے تب؟"

"میں کوشش کرتی قائل کرنے کی کہ ابھی میری شادی نہ کریں اور وہ مجھے قائل کرتے کہ ان کے لیے میرے فرض سے سبکدوش ہونا کتنا اہم، ضروری اور باعث مسرت ہے پھر... شاید میں فیصلہ ابو پر چھوڑ دیتی، ففٹی ففٹی چانسز ہیں کہ ابو میری بات مان جاتے۔ لیکن یاد رکھو یہ سب فرض کرتے وقت پکچر میں سحبان اور اس کی باتیں کہیں نہیں ہیں۔"

"اب بھی وہی کرو، سحبان کو ہاں کہہ دو اور فیصلہ انکل کو کرنے دو۔ اسے پکچر میں رکھو ہی مت۔"

"اور وہ ساری بکواس؟"

"ایک طرح سے وہ تمہارے حق میں اچھا ہی ہے، سکون سے پڑھائی کرو اور سنا تو ہوگا نکاح کے دو بول دلوں میں محبت ڈال دیتے ہیں......" اس نے آخری جملہ ہاتھ لہرا کر بڑے انداز سے مکمل کیا۔ "تم دونوں کو بھی ہو جائے گی۔"

"کسی ایک کو ہی ہوئی تو؟"

"تم ٹھہری دنیا کی گھاگ رومانٹک، کرہی لوگی میسر بندے سے اور وہ تمہارے چارم سے بچ نہیں سکتا۔" اس نے دوستی کا حق ادا کیا۔

"گھاگ نہیں اسے ڈائے ہارڈ رومانٹک کہتے ہیں۔" اس کی نازک طبع پر گھاگ بڑا گراں گزرا۔ اور وہ ویسا بالکل نہیں جیسا بندہ مجھے پسند آسکتا ہے۔ وہ چیخے کراہی۔

"پسند چھوڑو تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور تمہیں محبت ہو جائے گی۔" خوشنما نے اس کا کندھا تھپتھپا کر تسلی دی۔

زندگی ہے بی بی، ایکتا کپور کا سیریل نہیں!" ثانیہ نے گہری سانس لی۔

"کہاں پھنس گئی میں۔"

"مینج کرو اسے۔" خوشنما نے فون کی طرف اشارہ کیا۔"

"ایک پل میرا دل مان جاتا ہے پھر اگلے ہی پل نہ نہ کرنے لگتا ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"جس پل مان رہا اس وقت ٹائپ کر دو، ہاں کہنے میں ایک پل ہی لگتا ہے۔" خوشنما کے پاس حل موجود تھا۔

یا اللہ!" کچھ دیر فون ہاتھ میں لیے وہ چپ رہی پھر بالآخر واقعی پل بھر میں پیغام بھیج دیا۔

☆☆☆

تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے اس نے فون اٹھایا۔ ثانیہ کا نام دیکھتے ہی اس کے ہاتھ رک گئے۔

چاچا جان سے کہو ابو سے بات کریں۔" انگریزی میں ایک جملہ لکھا تھا۔

یس یس یس!!!" اس نے ہوا میں مکا لہرایا۔ اس نے اس کی امید سے کم وقت لیا تھا۔

ناشتے کے لیے باورچی خانے میں جانے کے بجائے وہ ابا کے کمرے میں آیا۔ خلاف معمول اور امید وہ اس وقت گھر میں موجود تھے۔

"سورج کدھر سے نکلا آج؟" عذرا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ ان کے کمرے میں نہیں آتا تھا۔

" ابا اور آپ سے کچھ کہنا ہے۔" اس نے سعادت مندانہ انداز اپنایا۔

غفران احمد جو تپائی پر اخبار پھیلائے اس پر جھکے تھے، عینک نکال کر ایک طرف رکھی اور اسے دیکھا۔ انہیں لگ رہا تھا وہ ان کے ساتھ کارخانہ جانے تیار ہو گیا ہے اور وہی کہنے آیا ہے۔ ان کی سوچ پڑھ چکے سحبان کو ان کا ردعمل سوچ کر پہلے ہی گدگدی ہونے لگی۔

" کہو۔"

" میں شادی کے لیے تیار ہوں......" وہ سیدھے ہوئے۔ "لیکن اپنی پسند کی لڑکی سے۔"

" اور تمہیں لڑکی پسند کرنے کے لیے وقت چاہیے ہوگا؟" ان کے لہجے میں استہزاء تھا۔

"نہیں۔"

ان کے ابرو چڑھ گئے۔

"ہیں۔ تم نے لڑکی پسند کر لی؟" عذرا نے چونک کر پوچھا۔

"جی۔"

"کون؟"

"ثانیہ۔"

"کون ثانیہ۔؟ ثانیہ۔۔۔ ثانی۔ عبدالسمیع بھائی کی ثانیہ؟"

اس نے بس سر ہلایا۔ عذرا متحیر تھیں لیکن غفران احمد کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

"مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔ اسے بڑا مزا آیا۔

"یہ بات مذاق میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟" اس سے زیادہ شرافت والا تاثر کبھی اس کے چہرے پر نہیں آیا تھا۔

"کل پہلی بار تم نے اسے دیکھا اور...... کسی شرارت کی کوشش نہ کرو بحیان۔"

"میں نے پہلے اسے دیکھا تھا لیکن وہ کون ہے، کہاں رہتی ہے، کیا نام ہے، کچھ علم نہیں تھا......" اس نے اپنی لو اسٹوری تخلیق کی۔ "اور میں تب سے اسے ڈھونڈ رہا تھا۔" اس نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔

"کہاں دیکھا تھا؟"

"اسٹیشن کے باہر۔" پلیٹ فارم پر کہتا تو کسی نے یقین نہیں کرنا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگایا۔

"کب؟"

"کچھ مہینے پہلے۔"

"کتنے مہینے؟"

"شاید دو ڈھائی ماہ پہلے۔"

"کون سے اسٹیشن کے باہر؟"

"چرچ گیٹ۔" وہ جانتا تھا ثانیہ کا آل گرلز کیمپس چرچ گیٹ میں ہے۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟"

منیب کو لینے گیا تھا۔"

"منیب وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"اس کی کزن کے کالج میں کسی کام سے گیا تھا۔" اس نے جان بوجھ 'اس کی کزن' کہا کہ اس کے بعد وہ مزید سوال نہ کریں۔ کبھی وہ بھی تو گرلز کالج کے باہر گئے ہوں گے۔

عذرا حیران اور خوش تھیں جب کہ وہ پورا وقت اسے جانچتی، آر پار ہونے والی نظر سے گھورتے رہے تھے۔

شام تک سارے خاندان میں اس کی کہانی گشت کر رہی تھی اور نصرہ اس کے سر تھی کہ اس سے کیوں چھپایا؟

"کیا کہتا آپ سے؟ مجھے اس کا نام تک نہیں معلوم تھا نہ ہی اس کی تصویر تھی کہ آپ سے کہتا شہر کھنگالیں اور یہ لڑکی مجھے لا کر دیں!"

"تم سے یہ امید نہیں تھی مجھے کہ پہلی نظر میں دل ہار بیٹھو گے۔"

"مجھے بھی نہیں تھی، ابا ایسے بضد تھے، طوبہ نامی تلوار سر پر لٹک رہی تھی، میں گھر سے بھاگ جانے کا سوچ رہا تھا اور ایسے میں وہ دوبارہ مل گئی تو اب یہ سب قسمت ہی ہوئی ناں!" نصرہ کو قائل کرنا ضروری تھا تا کہ وہ مزید کھوج کا ارادہ نہ کرے۔

کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ شام کو غفران احمد بیوی بیٹا اور بہو کے ساتھ اپنے دوست کے گھر ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے موجود تھے۔ عبدالسمیع نے رسماً بھی سوچنے یا جواب دینے کے لیے وقت نہیں مانگا اور فوراً ہاں کر دی۔ اس نے جو سوچا تھا کہ ابو اس کی رائے اور مرضی پوچھیں گے اور وہ انہیں قائل کرنے کی پوری کوشش کرے گی، ویسا کچھ نہ ہوا۔ وہ کھلی آنکھوں سے اپنی زندگی ہاتھ سے نکلتے دیکھتی رہی۔ غفران احمد نے اسی وقت شادی کی تاریخ بھی تجویز کر دی۔ عبدالسمیع نے وقت کی کمی کا کہا۔

"صرف نکاح ہی کرنا ہے، گھر میں رکھ لو یا مسجد میں۔ باقی جہیز، لمبی چوڑی شاپنگ یا دوسری کسی

فارملیٹی کی ضرورت نہیں ہے...... " وہ دوست کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ " ہمیں بس ثانی چاہیے اور کچھ نہیں۔"

رات گیارہ بجے جب وہ گھر لوٹے تو اتفاق رائے سے شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ عبدالسمیع کی تجاویز، اعتراضات اور نہ نہ کے ان کے پاس وہ جوابات تھے کہ آخر انہیں ماننا پڑا۔

اگلے دن تقریباً سارا خاندان تصدیق و تفتیش کے لیے حاضر باش تھا۔

شادی سحبان کی پسند اور مرضی سے ہو رہی ہے، یہ سچائی کسی کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔ سب اس کے شوق اور معمول سے واقف تھے۔ جم، فٹ بال، دوست اور آن لائن کھیل کے علاوہ اس کی چوتھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کالج میں کسی لڑکی سے دوستی تھی نہ خاندان کی کسی لڑکی سے وہ فری تھا۔ خاندان کی تقاریب میں بھی وہ زنانہ محفلوں سے دور بھاگتا تھا۔ ایسے میں اس نے خود لڑکی پسند کر لی ہے، ناقابل یقین سی بات تھی۔

" نہیں آپا! ایسی بات نہیں، انہوں نے تو کہہ دیا تھا اور اسی لیے آپ اور بھائی جان کو بلایا تھا کہ شادی کی تاریخ طے کر سکیں۔ " عذرا تند کے اعتراض اور سوالوں پر صفائی دے رہی تھیں۔

" اب یہ قسمت کی بات ہے کہ وہ پہلی بار اسے عبدالسمیع بھائی کے گھر لے گئے اور وہیں اس نے ثانیہ کو دیکھا جسے وہ کب سے ڈھونڈ رہا تھا۔ " ان کی آواز دھیمی ہوئی اور وہ رک گئیں۔ بیٹے کی داستانِ محبت خود سے بیان کرنا انہیں عجیب لگا، وہ بھی ان سے جو اپنی بیٹی کے لیے امید لگائے تھیں۔

" چلو شکر ہے وہ خوشی خوشی شادی کے لیے تیار تو ہوا۔ " شمشاد نے کہا۔

" آپا! آپ بھی دل برا نہ کریں، طردیہ کے لیے وہ باپ کے ڈر سے راضی ہو جاتا تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ اچھا ہی ہوا کچھ ہونے سے پہلے ہی معاملہ سلجھ گیا اور اب ہمیں بھی علم ہے کہ وہ کیوں شادی کے لیے راضی نہیں ہو رہا تھا۔ " وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ ان کی اپنی بیٹی چھوٹی بہن کو دیورانی بنانے کے لیے کس قدر بے قرار تھی۔

اس ساری صورت حال میں طردیہ کو اپنی ہتک اور بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بظاہر ہنستی مسکراتی ہنسی مذاق میں سب کے ساتھ شامل تھی کہ شکر ہے آخر سحبان کی شادی ہو رہی ہے۔ اس نے فی الحال غصہ کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ کچھ بھی بھولنے یا معاف کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس کا۔

ثانیہ کو یہ توقع نہیں تھی کہ فوراً ہی شادی کی تاریخ بھی طے ہو جائے گی۔ اب صحیح معنوں میں اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ اسے ایک ہی بات کی خوشی تھی گاؤں والے مہمان اتنے 'شارٹ نوٹس' پر شادی میں شریک نہیں ہو پائیں گے۔ ورنہ وہ دو شادیوں میں ان سب کو دیکھ چکی تھی۔ سارا کے سارا خاندان ممبئی دیکھنے کے لالچ میں چلا آتا وہ بھی لمبی چھٹی پر۔ ان کے قیام وطعام اور پھر شکایتوں اور ناراضیوں کے مسائل الگ۔ خوشما کی تسلیاں ذرا سا بہلاتیں کہ پھر اس کے اپنے خیالات بے کل کرنے لگتے۔ یہ کیا کر بیٹھی ہے وہ، یہ کیا کرنے چلی ہے وہ، کیسے اور کب تک چل سکے گا یہ سب، یہ جھوٹ کیسے چھپے گا،... سوال ہی سوال تھے۔

" انہوں نے رسماً منع کیا تو ہم کیا واقعی جہیز نہیں دیں گے؟ " بشریٰ کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں تھی۔

" آج کل رسماً بھی کوئی جہیز کے لیے منع نہیں کرتا۔ " یسریٰ نے کہا۔ " یہ بھی بڑی بات ہے۔ " بھائی اور بھابھی نے سختی سے کہا ہے کہ ہم کچھ نہ کریں۔"

زیادہ ہی حاتم طائی قسم کے لوگ ہیں۔ " بشریٰ نے مذاقاً کہا۔

" ساری زندگی دیکھا ہے انہیں، غفران بھائی ایسے ہی ہیں۔ " سفینہ کو بیٹی کا انداز پسند نہیں آیا۔

" ارے ان سے بڑی حاتم طائی ہمارے گھر

میں موجود ہے۔" دادی نے جل کر کہا۔
"روز بیس دفعہ تو کہتی ہے خبردار جو کوئی فضول خرچی کی، کچھ خریدا تو! یہ بھی خیال نہیں اس طرح سسرال میں کوئی عزت نہیں رہتی۔"
"ویسے دادی میری شادی میں جتنا خرچا ہوا تھا اتنے پیسوں میں تو ان کی حیثیت کے مطابق بس دلہن کا لہنگا ہی آئے گا۔"
وہ اپنے حجرے سے باہر آئی۔
"ہم کیوں ان کی حیثیت کے مطابق خریدیں؟ اپنی حیثیت کے مطابق ہی سب کچھ کریں گے۔"
"ایسے کیسے؟ عزت کا سوال ہے۔ تماشا بن جاؤ گی ان کے مہمانوں کے درمیان، یہی مسئلہ ہوتا ہے بے جوڑ شادیوں کا۔" اس نے تاسف میں سر ہلایا۔
"بشریٰ آپا! مسئلہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنی چادر سے زیادہ پھیلنے لگیں۔" اس کے ساتھ سارا مسئلہ ہی یہ تھا کہ وہ اب تک 'اپنی' چادر کا تعین ہی نہیں کر سکی تھی۔
"مجھے یہاں سے کچھ نہیں لے جانا، یہ موقع سب کو نہیں ملتا، مجھے ملا ہے میں کیوں گنواؤں اسے؟ انہوں نے یونہی بھی کہہ دیا ہو مگر میں اسی کو سچ مان کر خالی ہاتھ جاؤں گی۔"
"تم اکیلی بہو نہیں ہو، اس سے تمہارے مقام اور حیثیت پر فرق پڑے گا۔"
اس نے پتے کی بات اسے سمجھانا چاہی۔
"اس کی فکر نہ کریں، اپنا مقام بنانے کے لیے مجھے خود پر بھروسا ہے۔"
"امی یہ......"
"بس کرو اب...... "یسریٰ نے ٹوکا۔" ثانی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ جب وہ خود کہہ چکے اور ایسا کچھ نہیں جو ان کے یہاں پہلے سے موجود نہ ہو تو خواہ مخواہ اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔"
"کل نضرہ کا فون آیا تھا کہ ثانیہ جس دن فری ہو بتا دیں اس کے ساتھ جا کر نکاح اور ولیمے کے کپڑے لینا ہیں......" سفینہ نے کہا۔ "کل کا کہہ دوں انہیں؟" سفینہ نے اس سے پوچھا۔
"میرا ساتھ جانا ضروری ہے؟"
"ہاں، میں فون کر دیتی ہوں۔" وہ دو ٹوک کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔
"تم زیور تو لے جاؤ گی ناں جو امی نے بنا کر رکھے ہیں؟" بشریٰ کو نیا خیال آیا۔
"نہیں۔" وہ بھی وہاں سے اٹھ گئی۔
اگلے دن اسے جانا ہی پڑا۔ اس کے ساتھ بشریٰ بھی تھی۔ اس نے لاکھ کہا خوشما یا شیبا کو بھی ساتھ لے لیں لیکن وہ بشریٰ ہی کیا جو کسی کی بات سن لے۔ نضرہ کے ساتھ اس کی بہن نزہت اور ایک کزن تھی۔ نضرہ کی کمنٹری مسلسل جاری تھی۔ سبحان کو یہ رنگ پسند ہے، وہ پسند نہیں، اسے شاید یہ اچھا نہ لگے، یہ پسند آئے گا، اتنی چھوٹی ہیل نہ لو، سبحان کا قد اتنا ہے، اور جانے کیا کیا۔ اسے بھی تصویریں بھیج کر رائے لی گئی اور اس کے جواب پر کہ جو ثانی کو پسند آئے وہ میری طرف سے فائنل پر جہاں سب ہو ہا کرنے لگیں، وہ بس بل کھا کے رہ گئی۔ اس کا دل کیا پوچھ لے۔ "سبحان کے ساتھ کون ہے جو اسے میری پسند ناپسند بتا رہا ہے؟"

☆☆☆

مقررہ دن چھوٹی سی تقریب اور مختصر برات کے موجودگی میں ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ رخصت ہو کر وہ اٹھارہ منزلہ عمارت کی سترھویں منزل پر اپنے سسرال آ گئی۔ ہر منزل پر تین فلیٹ تھے۔ سترھویں منزل کے تینوں فلیٹ کے مالک غفران احمد نے اسے اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق انہیں تبدیل کر لیا تھا اس لیے یہاں تین الگ مکان نہیں تھے، پوری منزل ایک فلیٹ تھا۔ اس قدر بڑا اور کشادہ گھر جسے میں اس نے اب تک فلموں اور ڈراموں میں ہی دیکھا تھا۔ سب ہی رشتے داروں اور سہیلیوں کے مکان بھی اس کے گھر جیسے ہی تھے۔ سبحان کا کمرا لفٹ کے پیچھے، سب سے آخر میں تھا۔ یعنی اس

طرف گھر والوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نفرہ کے باہر نکلتے ہی سحبان نے دروازہ لاک کیا اور ثانیہ پلنگ سے اتر کر بیگ سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ سحبان سلائیڈنگ کھول کر بالکنی میں چلا گیا۔ کپڑے نکال کر سیدھی ہوئی تو سامنے ہی آئینہ تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سلائیڈنگ ڈور کھلا دیکھ کر سمجھ گئی کہ سحبان باہر ہے۔ گھوم گھوم کر اطمینان سے اپنے لیفٹ رائٹ سارے پروفائلز دیکھے پھر فون اٹھا کر کچھ ساری تصویریں بنائیں۔

"ٹھیک ٹھاک دلہن لگ رہی تھی میں تو!" اس نے کھلے دل سے اپنی تعریف کی پھر فون رکھ کر زیورات اتارنا شروع کیے۔ "اور یہ مہندی کا کلر تو دیکھو۔ خاک محبت! ادھر نہ ادھر۔"

زیورات سارے دراز میں ڈال کر وہ غسل خانے میں چلی گئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر سحبان اندر آیا۔ شیروانی کے بٹن کھولتے ہوئے وہ بھی آئینے کے سامنے رک گیا۔

"ناٹ بیڈ!" سیلفیوں پر اس کا بھی حق تھا۔

وہ بے تحاشا تھکا تھا فوراً سونا چاہتا تھا۔ ثانیہ باہر نکلی تو وہ اپنے کپڑے لیے اندر چلا گیا۔

اس نے اپنا عروسی دوپٹا تہ لگا کے رکھا اور باقی کرسی کی پشت پر پھیلا دیے۔ کمرا کافی کشادہ تھا۔ پلنگ کے علاوہ میز پر بڑا سا گیمنگ ڈیسک ٹاپ رکھا تھا۔ ریوالونگ کرسی کے علاوہ دیوار سے ایک اور سادہ کرسی رکھی تھی۔ ایک دیوار کی مکمل لمبائی چوڑائی الماری سے ڈھکی تھی۔ سنگھار میز الگ سے رکھی گئی۔ یہ اضافہ ضرور اس کے لیے تھا ورنہ الماری کے ایک پٹ میں بھی آئینہ لگا تھا۔

وہ جائزہ لیتے ہوئے اپنی کتابوں کا ٹھکانہ تلاش کر رہی تھی۔ میز پر اسپیکر، جوائے اسٹکس، ماؤس اور کی بورڈ کے علاوہ وائرز کا جال تھا جو جانے کہاں اور کس کس سے منسلک تھے۔ دروازے کے پاس پتلی سی لیکن لمبی الماری تھی۔ اس نے کھول کر دیکھا۔ اس میں جوتے اور اسلیپرز بھرے تھے۔

پلنگ کے ساتھ چھوٹی سی دراز والی تپائی پر نفرہ نے دولہا دلہن کے کام و دہن کا سامان رکھ دی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر سلائیڈنگ ونڈو کے قریب آئی۔ گہرے سرمئی رنگ کے دبیز پردوں سے ڈھکے شیشوں کے پیچھے خاصی کشادہ بالکنی تھی جہاں کین کی دو کرسیاں اور ایک تپائی رکھی تھی۔

"یہ جگہ ٹھیک ہے۔" اسے اپنی پڑھائی کے لیے کا گوشہ مل گیا۔ وہ بالکنی میں جانا چاہ رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر رک گئی۔ سحبان ٹی شرٹ اور ڈھیلی سی ٹریک پینٹ پہنے باہر نکلا۔

"تم کہاں سوؤ گی؟" وقت ضائع کیے بنا اس نے سوال کیا اور وہ کچھ کہتی اس سے پہلے ہی اگلا سوال حاضر تھا۔

"یہ ایسے ہی رکھنا ہے؟" اس نے ہاتھ اٹھا کر انگلی کا رخ پلنگ کے اطراف لٹک رہیں موتیے کی لڑیوں کی سمت کیا۔

"میری بھی پہلی شادی ہے۔"

"اوہ! میں بھول گیا تھا۔" وہ لڑیاں اور پلنگ پر بکھری پتیاں ہٹاتا اس پر بیٹھ گیا۔

"تم رومانٹک ہوناں یہ سب پتا ہوگا اس لیے۔"

ثانیہ نے اسے تنبیہی انداز میں گھورا۔

اچھا تم کہاں سوؤ گی؟" یعنی وہ پلنگ پر قبضہ کر چکا تھا۔"

"مجھے فرش پر دری بچھا کر سونے کی عادت ہے۔" اپنے حجرے میں بھی وہ ذرا سی جگہ میں دری بچھا کر سونے کی عادی تھی۔

"دری تو شاید نہ ہو، وارڈروب میں بیڈ شیٹس ہوں گی۔"

"میں دیکھ لوں گی۔" وہ اٹھنے لگا تو اس نے روکا۔

"میں تو بہت تھک گیا، سو رہا ہوں، تم بھی سو

جاؤ۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی، کچھ دیر بالکنی میں بیٹھتی ہوں۔"

"اوکے، لائٹس آف کر دو۔" تکیہ درست کرتے ہوئے اس نے سوئچ بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"سیکنڈ بٹن نائٹ بلب کا ہے اور لاسٹ بالکنی کا۔"

اس نے بتی بجھا کر نائٹ بلب جلا دیا۔ اے سی آن تھا سو سلائیڈنگ بند کر کے وہ فون لیے بالکنی میں آ گئی۔ 'اِکے' کی وہ ساری قسطیں دیکھنا تھیں جو اس شادی کی نذر ہو گئی تھیں۔ یوٹیوب کھولتے ہی اسے وائے فائے کا خیال آیا۔ وہ واپس اندر آئی۔

"وائے فائے کا نام اور پاس ورڈ کیا ہے؟" وہ جو لیٹ گیا تھا، اٹھ بیٹھا۔

"میں ڈال دیتا ہوں۔" اس نے فون لینے کے لیے ہاتھ آگے کیا۔

"میں کر لوں گی، بس بتا دو۔"

"ناٹ کنیکٹیڈ۔"

"آں؟"

"وائے فائے نیم ہے، ناٹ کنیکٹیڈ۔"

"اچھا۔"

"پاس ورڈ؟"

"پاس ورڈ ایز ون ٹو تھری ہیش اسٹار ڈاٹ۔"

"یہ تو نہیں لے رہا؟"

"پورا لکھو، پاس ورڈ ایز ون ٹو تھری ہیش اسٹار ڈاٹ۔" ثانیہ نے پھر اسے گھورا۔

"ہیش اسٹار ڈاٹ لکھوں یا سائن یوز کروں؟"

"اسی لیے فون مانگا تھا۔" ثانیہ نے فون اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وائے فائے کنیکٹ کر کے سحبان نے اسے واپس کیا۔

"تھینک یو، ویسے یہ نام اور پاس ورڈ کس نے رکھا ہے؟"

گردن سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"یہی لگا تھا مجھے۔" وہ واپس بالکنی میں آ گئی۔

ساری بقیہ قسطیں دیکھنے کے بعد اس نے وقت دیکھا تو ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ وہ اندر آ گئی۔ سحبان چادر منہ تک کھینچے گہری نیند میں تھا۔ اس نے الماری کھول کر دو موٹی سی چادریں نکالیں اور ایک فرش پر بچھائی۔ کمرے میں قالین، رگ، کارپیٹ کچھ نہیں تھا۔ چادر بچھاتے ہی اسے احساس ہوا اے سی کی ٹھنڈک سے سرد ہوئے فرش پر چادر بچھا کر سونا ناممکن ہے۔ تھوڑی تلاش کے بعد اسے الماری کے اوپری خانے میں کمبل مل گیا۔ اس نے کمبل بچھا کر اس پر چادر ڈال دی۔ اسی وقت دور سے فجر کی اذان کی آواز آنے لگی۔ وضو کرنے سے پہلے اس نے تپائی پر رکھی اشیائے خورد و نوش سے انصاف کیا اور پھر نماز پڑھ کر سو گئی۔ اسے فوراً نیند آ گئی تھی۔

جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔ ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بالوں کو ہیئر اسٹک سے قید کرتے ہوئے اس نے پلنگ کی طرف دیکھا۔ سحبان وہاں نہیں تھا۔ اس نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا جو بند تھا۔

"وہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔" اس نے خود سے کہا۔

بستر اٹھا کر الماری میں رکھا اور سلائیڈنگ کھول کر بالکنی میں آ گئی۔ اتنی اونچائی سے دور تک پھیلا شہر دیکھنے کا پہلا اتفاق تھا۔ کل رات تو روشنیاں نظر آ رہی تھیں، اب دن کے اجالے میں منظر مختلف تھا۔ وہ گرل کے پاس کھڑی اس نظارے سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ آہٹ پر پلٹی۔ تولیہ گردن میں ڈالے نم بالوں کے ساتھ سحبان پیچھے کھڑا تھا۔

"بھابھی کا میسج ہے، کیا جواب دوں؟" اس کے ہاتھ میں فون تھا۔

"کیا میسج ہے؟" وہ بالکنی سے کمرے میں

آئی۔
"اٹھ گئے؟"
"ہاں کہہ دو، اٹھ تو گئے ہیں۔"
وہ ٹائپ کرنے لگا۔ اس نے بھی اپنے بیگ سے شیبا کا جتایا 'دوسرے دن یہ پہننا' والا جوڑا نکالا اور غسل خانے میں چلی گئی۔ اس کے باہر آنے تک کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا۔ سحبان کمپیوٹر آن کیے کچھ کر رہا تھا۔ اس نے بالکنی میں جا کر بال خشک کیے۔ وہیں بال سلجھا رہی تھی تب دروازے پر دستک ہوئی۔ سحبان نے دروازہ کھولا اور اس نے گہری سانس لی۔ "ایکٹنگ کے لیے تیار ہو جا ثانی!"
دروازے پر نضرہ نہیں کوئی اور لڑکی تھی جو ان کے لیے چائے لے کر آئی تھی۔
"السلام علیکم۔" اس نے اندر آ کر اسے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔" جواب دے کر اس نے سوالیہ نظر سحبان پر ٹکائی۔
"یہ یاسمین ہے، ابا کی بھتیجی۔"
"بھابھی نے کہا ہے آپ تیار ہو کر انہیں کال کر لیں۔" اس نے ثانیہ سے کہا۔
"ہمم۔" اس نے ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے ہنکارا بھرا۔
گھر میں بڑی گہما گہمی تھی جو سحبان کے کمرے میں بالکل پتا نہیں چل رہی تھی۔ گاؤں کے بھی کئی سارے مہمان موجود تھے جو سب غفران احمد کے رشتے دار تھے۔ ان کا کوئی سگا بھائی نہیں تھا۔ دونوں بہنیں بھی اسی شہر میں تھیں لیکن ان کے چاچا اور باقی سارا خاندان گاؤں میں ہی ہوتا تھا۔ وہاں موجود سب مہمانوں اور رشتے داروں سے اس کا تعارف ہوا۔ نضرہ نے اسے سارا گھر گھمایا۔ حاذق اپنی نئی اور اکلوتی چاچی کو پل بھر کے لیے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد شیبا، حبا اور بشریٰ کے ساتھ خوشنما اس کا ناشتا لے کر آ گئی۔
"یہاں بھی کچن موجود ہے۔" اس نے منہ پھلایا۔ وہ انہیں اس کے لیے بھی منع کر چکی تھی۔
"یہ تو بہانہ ہے، ہم تمہاری رونمائی دیکھنے آئے ہیں۔" خوشنما نے کہا اور وہ سب متلاشی نظروں سے اسے ٹٹولنے لگیں۔ بی بی ثانیہ نے دل میں سحبان کو لتاڑا اور خوشنما کو گھورا۔
"وہ، بریسلیٹ تھا پہناتے ہوئے ہی ٹوٹ گیا۔"
"اوہ!"
"اتنا نازک؟"
تم نے توڑا ہوگا، سلیقہ ہی نہیں تم میں۔"
"ٹوٹا ہی دکھا دو۔"
"کیسا ہے؟" وہ چاروں بنا رکے اپنی کہے جا رہی تھیں۔
"بڑا خوب صورت اور نازک اور میں نے نہیں توڑا بشریٰ آپا۔"
"آ جاؤ ثانی، ناشتا کر لو۔" تبھی نضرہ نے آواز لگائی اور وہ اتنی دیر سے آن کیا نئی دلہنوں والا 'سلو موشن' موڈ بھول کر فوراً سحبان کے بازو والی کرسی پر جا بیٹھی۔
"بڑی پلاننگ سے شادی کی تم نے اور سب سے اہم چیز ہی بھول گئے۔۔۔؟" سب سے فارغ ہو کر کمرے میں آتے ہی اس نے سحبان کو آڑے ہاتھوں لیا۔
"کیا؟"
"منہ دکھائی، رونمائی، سب پوچھ رہے ہیں مجھ سے۔"
"تم نے کیا کہا؟"
"جھوٹ۔"
"گڈ۔"
پھر ثانیہ نے اسے ملامتی نظروں سے گھورا۔
"اچھا سا بریسلیٹ لے آؤ شام سے پہلے جو کل رات پہناتے ہوئے ٹوٹ گیا تھا۔"
"اتنی جلدی ریپئر ہو جائے گا؟"
"کرنا پڑے گا ورنہ تف ہے ایسی لو میرج پر!"

رات ولیمے میں وہ بڑے ناز سے سب کو بریسلیٹ دکھا رہی تھی کہ سحبان نے فوراً منوالیا۔

سب کی موجودگی میں خوشنما اور اس کو باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، اس لیے اب وہ فون پر کسر پوری کر رہی تھیں۔ سحبان سو چکا تھا اور وہ بالکنی میں تھی۔

"آکورڈ نہیں لگا تم دونوں کو؟"

"وہ کیوں لگے گا بھلا، اس نے سکون سے اپنی نیند پوری کی اور میں نے آرام سے 'اِکے' کے اپنی سوڈ دیکھے۔"

"گھر تو بڑا پیارا ہے۔" خوشنما بھی اتنے بڑے اور خوب صورت گھر سے متاثر تھی۔

"تمہیں سب سے اچھا کیا لگا اپنے سسرال میں؟"

"وائے فائے کی اسپیڈ۔" یہ اکیسوی صدی کی بہو کا جواب تھا۔

بڑی دیر تک ان کی باتیں چلتی رہی۔

☆☆☆

اپنی طرف تو اس نے پہلے ہی ساری دعوتوں کو ملنے سے پہلے رد کر دیا تھا لیکن ادھر سحبان کے پھوپھیں، خالائیں اور ماموں، باری باری اسے سب کی دعوتیں بھگتانی پڑیں۔ آج آخری دعوت طروبہ کی طرف تھی۔ وہاں ان کے ساتھ تقریباً سارا ہی خاندان اکٹھا تھا۔ سحبان کی پسند سے شادی کتنا بڑا عجوبہ ہے، یہ صحیح معنوں میں اسے ان دعوتوں میں سمجھ میں آیا تھا۔ ایسی نظریں اور ایسے سوال ہوتے کہ وہ بھی گڑبڑا جاتی۔

"اب آپ روز سسرال سے کالج جائیں گی؟" اگلا سوال عزنہ کا تھا۔

"مزید کچھ دن، پھر ایگزام کی تیاری گھر سے ہی کروں گی۔"

"آگے بھی پڑھیں گی؟"

"ان شاء اللہ۔"

"کیا کریں گی اتنا پڑھ کے؟ آپ کو جاب کی ضرورت تو نہیں۔"

"تعلیم صرف جاب کے لیے تو حاصل نہیں کرتے۔" حالاں کہ اس کا پہلا مقصد یہی تھا۔

"پھر کس لیے اتنا دماغ کھپانا؟"

"یہ مسئلہ خاندانی ہے۔" اس نے سوچا۔

اتنے دنوں میں اسے سحبان کا تعلیمی ریکارڈ بھی پتا چل گیا تھا۔ سیدھے سادے کامرس گریجویشن میں بھی وہ چار دفعہ فیل ہوا تھا۔ سن کر اسے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ روماس پر اس نے سمجھوتا کر لیا تھا لیکن یہ ناقابل قبول تھا مگر اب تین بار 'قبول ہے' کہہ چکنے کے بعد کیا کیا جا سکتا تھا۔

"کیا آپ نے بھی اسٹیشن کے باہر سحبان بھائی کو دیکھا تھا؟" ان کی چھوٹی کہانی سارا خاندان جانتا تھا۔

"نہیں۔"

سب کی طرح سحبان تمہیں تانی ہی بلاتا ہے؟" طروبہ کے اس بے تکے سوال کی وجہ اسے سمجھ میں نہیں آئی۔

"آپ اتنی پرسنل بات کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اس سے چھوٹی عروبہ زیادہ سمجھ دار تھی۔

"میں نام ہی پوچھ رہی ہوں، شونا، موٹو، جانو، یا بابو کا نہیں پوچھا۔"

"وہ ثانو کہتے ہیں۔"

اس نے بات ختم کرنے کے لیے جانو موٹو سونو کا ہم قافیہ کہہ دیا تھا لیکن جب کھانے کے دوران کسی بات پر سحبان نے اسے 'ثانو' کہا تو کھاتے ہوئے اسے اچھو ہو گیا۔ سب سے نظر بچا کر بائیں آنکھ دباتے ہوئے وہ مسکرایا اور وہ بس گھور ہی سکی۔

اس نے کالج جانا شروع کر دیا تھا۔ وہ صبح سات بجے ٹرین سے جاتی اور دو ڈھائی بجے تک واپس آجاتی۔ صاف صفائی اور برتن کے لیے آنے والی ملازمہ اور اس کی بیٹی کے علاوہ ماہین چوبیس گھنٹے وہیں رہتی تھی۔ اس کے والد غفران احمد کے دور پرے کے غریب رشتے دار تھے۔ ان کے انتقال کے

بعد وہ اسے یہاں لے آئے تھے۔ اس کے بہن بھائی اور ماں گاؤں میں ہی ہوتے تھے۔ اسے گھر کے فرد کی حیثیت حاصل تھی۔ اتنی دعوتوں اور محفلوں میں اس نے بارہا غفران احمد کی فراخدلی اور خاندان اور گاؤں کے لوگوں کی مدد کے قصے اور تذکرے سنے تھے۔ گاؤں کے کئی مرد کارخانے میں ملازم تھے کچھ کو انہوں نے کہیں اور کام پر لگوا دیا تھا۔ گھر میں اس کے لیے کام تو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ کھانا کھا کر کچھ دیر سوتی اور پھر شام کا وقت سب کے ساتھ گزارتی۔ سحبان اور ثوبان کے علاوہ عشاء کے بعد سب ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ وہ جلد سو جاتی کہ صبح اسے جانا ہوتا تھا۔ ثوبان شوروم بند ہونے کے بعد لیٹ گھر آتا تھا۔ سحبان کی روٹین جانے کیا تھی۔ اس کے جانے تک وہ سویا رہتا تھا۔ شروع شروع میں وہ شام تک آجاتا تھا۔ گھر والے اس کے 'اتنی جلدی' آنے پر خوش تھے لیکن بتدریج یہ وقت آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے بار بار آگاہ کیا جاتا، ابھی سے اسے نکیل ڈالے کہ یہ رات کو دو تین اور کبھی کبھی ساری ساری رات باہر رہنے والا بندہ ہے۔

"دیکھیں، ابھی میں بھی پڑھائی اور فائنل کی تیاری میں مصروف ہوں تو سحبان کو بھی عیش کرنے دیں۔ امتحانوں کے بعد موصوف کے امتحان نہ شروع کر دوں تو پھر کہنا۔"

اس نے نغمہ کو یقین دلایا تھا۔ سحبان اب ٹھیاٹھ سے اپنی مرضی کر رہا تھا۔ ابا کی بات جو مان لی تھی۔ اب وہ اسے مزید کسی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتے تھے۔

اس کی کتابوں کے لیے خوب صورت سی الماری دو دن بعد ہی آگئی تھی۔ غفران احمد نے کمرے میں مزید کسی اور فرنیچر یا میز کی ضرورت کا پوچھا تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ اپنے لکھنے پڑھنے کے لیے اس نے بالکنی سنبھال لی تھی۔

"تم دن بھر کرتے کیا ہو؟" اتوار کا دن اسے پوچھنے کا موقع مل گیا۔

"بہت بزی ہوتا ہوں۔" وہ اس وقت بھی کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ اسی مصروفیت کے درمیان جواب دیا۔

"کرتے کیا ہو؟" اس نے زور دے کر دہرایا۔

"جم اور جگنگ، میری ٹیم ہے روز پریکٹس ہوتی ہے، پھر کہیں میچ تو کبھی کوئی ٹورنامنٹ، اس کے علاوہ بھی کئی کام ہوتے ہیں۔"

"یعنی بس وقت برباد کرتے ہو۔" اسے کرکٹ تک میں دلچسپی نہیں تھی تو باقی کھیلوں کا سوال ہی نہیں تھا۔

"پلیز۔۔۔ ایک ابا کافی ہے۔" اس نے اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

کام کرنے کی عمر اور وقت میں یہ سب وقت کی بربادی ہی ہے۔"

"تمہیں ابا نے مجھے 'سدھارنے' کا ٹارگٹ دیا ہے؟" اس سوال میں حد درجہ یقین تھا۔

"نہ۔" اس نے اپنی مطلوبہ کتابیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی شاید انہیں امید ہی نہیں ہے، انہوں نے بس تمہاری نمازوں کی فکر کرنے کو کہا ہے۔"

"پڑھتا ہوں میں۔"

"جھوٹ، روز فجر میں خراٹے لیتے ہو۔"

"جھوٹ، میں خراٹے نہیں لیتا، بس فجر چھوٹ جاتی ہے، تم جگا دیا کرو۔"

"اوکے۔" وہ مسکراتی بالکنی کی سمت چل دی۔

سحبان نے اس کے بالوں میں پھنسی ہیئر اسٹک کو دیکھا۔ فلموں میں زنانہ کرداروں کے ذریعے دشمن کی شہ رگ پر حملے کے لیے استعمال ہونے والا یہ ہتھیار اس نے پہلی بار اصل زندگی میں اصل مقصد کے لیے استعمال ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے سیاہ بال لمبے تھے اور وہ انہیں ہیئر اسٹک کے ساتھ قابو میں رکھتی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر توجہ اسکرین پر مرکوز کی۔

"ویسے کیا کھیلتے ہو تم؟" بالکنی میں پہنچ کر اسے خیال آ ہی گیا۔ سلائیڈنگ پکڑ کر اس نے کمرے میں جھانکا۔

"فٹ بال۔"

اگلی صبح سے وہ فون کا الارم اس کے کان کے پاس لے جا کر اسے فجر کے لیے جگانے لگی تھی۔ وہ اونگھتے جھومتے اٹھتا، نماز پڑھ کر پھر بے خبر سو جاتا۔ اسے نماز کے بعد سونے کی عادت نہیں تھی۔ وہ باورچی خانے میں جا کر خود ہی اپنی چائے اور ناشتا بنا لیتی تھی۔ اس وقت گھر میں اس کے علاوہ غفران احمد ہی جاگے ہوتے۔ دن کی پہلی چائے وہ دونوں ایک ساتھ پیتے۔ ان کے بعد ماہین جاگتی پھر باقی لوگ۔ ماہین بھی فاصلاتی یونیورسٹی سے بی اے کر رہی تھی۔

"ماہین بیٹا! پڑھائی کے سلسلے میں کچھ مدد چاہیے ہو تو ثانی سے لے لیا کرو۔" ایک دن یونہی چائے کے دوران انہوں نے کمرے میں آئی ماہین سے کہا تھا۔

"جی تایا جان۔"

وہ تقریباً اس کی ہم عمر تھی۔ تیکھے نین نقش والی، خاموش مزاج، اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی۔ دونوں وقت کا کھانا عذرا یا نصرہ پکاتی تھیں لیکن انہیں سب تیار کر کے ماہین دیتی تھی۔

سحبان کو جس دن دیر ہوتی وہ نچلی منزل پر لفٹ سے نکل کر سیڑھیوں سے اوپر آتا۔ لفٹ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیے جانے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ سیڑھیوں سے وہ کسی کو نظر آئے بغیر کمرے میں پہنچ جاتا تھا۔ ایسے وقتوں کے لیے اس کے پاس چابی تھی۔ ثانیہ دروازہ مقفل کر کے سوتی تھی۔ دروازہ کھلا رکھنے میں سحبان کے علاوہ کسی اور کے اندر آ کر اسے فرش پر دیکھ لینے کا خطرہ تھا۔ سحبان کو کمرے میں آ کر اسے سویا دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی۔ تکیے کے بازو میں اس کی ہیئر اسٹک اور فون رکھا رہتا اور وہ عموماً ایک سمت کروٹ لیے سوئی رہتی۔ کھلے بال تکیے اور چادر پر پھیلے ہوتے۔ وہ آواز پیدا کیے بغیر اپنے معمولات نپٹاتا تا کہ اس کی نیند متاثر نہ ہو۔

☆☆☆

"کل ہی تو آئی ہوں امی کی طرف سے۔" وہ بالکنی میں خوشنما سے بات کر رہی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے سسرال اتنا پسند آ گیا ہے تمہیں کہ گھر جانے کا دل ہی نہیں کرتا۔" وہ مشکوک تھی۔

"سب تو پتا ہے تمہیں۔ روز کالج اور گھر آنے جانے میں ہی گھن چکر بنی ہوں، تھک اتنا جاتی ہوں کہ کھانا کھاتے ہی سو جاتی ہوں، ایسے میں امی کے یہاں جانے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔"

"شوہر کی ناز برداریاں نہیں، کچن کا کوئی کام نہیں، مرضی سے جاگو اور سوؤ، اس کے بعد بھی تھک جانے کی شکایت۔ ناشکری لڑکی!"

"یا اللہ! تمہارا تو چت بھی میری پٹ بھی میری والا حساب ہے۔ ویسے میں لڑکیوں کے بار بار اور زیادہ دن میکے میں رہنے کے خلاف ہوں۔"

"ابھی یہ حال ہے تو اصلی والی شادی کی ہوتی تو اللہ جانے کیا کرتی تم۔"

"اصلی والی شادی میں بھی ویسی ہی ہوتی جیسی اب اس نقلی شادی میں ہوں۔"

سحبان کیسا ہے؟ ویسے مجھے سحبان بھائی کہنا چاہیے۔"

"تمہارے سحبان بھائی بھی مزے میں ہیں، شادی کر کے بھی شادی والی جھنجھٹوں سے آزاد، ان کی آزادی سلامت ہے اور وہ اسی میں خوش ہیں۔"

"ہر بندش سے آزاد خوش تو تم بھی ہو۔"

"ہاں، ہم دونوں ہی فری اور خوش ہیں۔"

"پتا نہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"خوشی! پہلے ہی ایگزامز کی بڑی ٹینشن ہے مجھے، تم مزید نہ دو۔ یہ سب میں پیچھے چھوڑ دینے کے بعد سوچوں گی اور تم نے بھی مجھے اکسایا تھا کہ ہاں کہہ دو، اب کنفیوز نہ کرو۔"

"میری توبہ، میں کہاں کنفیوز کر رہی ہوں؟ میں

تو روز دعا کرتی ہوں اپنی فضول فلاسفی اور بے تکی باتیں بھول کر تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کر بیٹھو، آمین ثم آمین۔" اس نے دوسری طرف شاید منہ پر ہاتھ بھی پھیر لیا تھا۔

"ابھی ہم موسم اور ماحول کا جائزہ لے رہے ہیں اتنی جلدی کوئی پیشن گوئی یا وعدہ نہیں کر سکتے۔" اس نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"کوئی ایک لمحہ تو کلک ہونے دو، سب دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" وہ کھنے پن سے ہنسی۔

"ویسے سحبان بھائی کی شکل گزارے لائق نہیں اس پر سر منٹنے اور اس کی خاطر قتل و غارت مچا دینے والی ہے۔"

"حد ہے مبالغے اور دروغ گوئی کی!"

"حد ہے تجاہل اور بے خبری کی!"

دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ چونکی۔

"رکھو شاید سحبان آ گیا ہے۔ اللہ حافظ۔" اس نے کال ختم کر دی۔ دروازہ کھول کر سحبان ہی اندر آیا۔ وہ تپائی سے ہیئر اسٹک اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"تم سوئی نہیں اب تک؟" وہ جو احتیاط سے اندر آیا تھا یکلخت میں اسے دیکھتے ہی بولا۔

"کل سنڈے ہے اور خوشی کا فون تھا بات کرتے ہوئے وقت پتا ہی نہیں چلا۔" وہ کمرے میں آ گئی۔ فون میز پر رکھا اور ہیئر اسٹک لگا کر بال باندھے۔

"ہمم۔" وہ میز پر فون اور چابی رکھ کر الماری کی سمت بڑھا۔ جانے کیوں یہ ہیئر اسٹک اسے بڑا الجھاتی تھی۔

صبح وہ ہال میں آیا تو اسے دیکھتے ہی نفرہ نے کہا۔

"آج تم سحبان کا ناشتا بناؤ تانی۔" وہ جو عذرا کے بالوں میں تیل لگا رہی تھی، ٹھٹک گئی۔

"میں؟"

"ہاں، روز تو چانس نہیں ملتا۔ یہ سویا رہتا ہے اور جب جاگتا ہے تم چلی جاتی ہو۔ سنا نہیں مجازی خدا کے دل کا راستہ معدے سے ہو کے جاتا ہے۔ ویسے تم تو پہلے ہی یہ راستہ عبور کر چکی ہو۔"

"اچھا۔" اسے اٹھنا پڑا۔

سحبان اس کے پیچھے باورچی خانے میں آیا۔ ماہین نے حیرت سے دونوں دیکھا۔

"کیا کھاؤ گے؟" اس نے فریج کا دروازہ کھولا پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"تمہیں کیا بنانا آتا ہے؟"

"سحبان بھائی اوٹس اور فروٹ لیتے ہیں۔" ماہین نے روٹی بیلتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔ تانی کا منہ بن گیا۔

"تم جو بھی پکا کر کھلا دو آج کھا لوں گا۔" اس نے "پکا" پر زور دیا۔

"اوکے۔" تانیہ نے ٹماٹر، پیاز اور ہری مرچ والا آملیٹ بنایا پھر ماہین کو ہٹا کر ایک روٹی خود بیل کر سینکی اور پیا ناشتا اس کے آگے رکھ دیا۔

"چائے تو پیتے ہو ناں؟" اس نے سر ہلایا۔ تانیہ نے چائے رکھی اس دوران وہ ماہین کی روٹیاں بھی سینک رہی تھی۔ چائے بن گئی تو اس نے پراٹھا بنا کر چائے کے ساتھ پیش کیا۔

"واؤ! تمہیں کچن کے کام آتے ہیں۔" اس نے متاثر ہونے والے انداز میں کہا۔

"مجھے لگا تھا بس پڑھنا لکھنا ہی آتا ہے تمہیں۔"

"دھیرے دھیرے جان جاؤ گے مجھے کیا کیا آتا ہے۔" اس نے ہاتھ جھاڑ کر فرضی کالر جھاڑے۔

ماہین کن انکھیوں سے دونوں کی عجیب و غریب حرکتیں دیکھ اور باتیں سن رہی تھی۔

☆☆☆

وہ سریکل میں اس قدر گم تھی کہ اس کے دروازہ کھول کر اندر آنے کا بھی پتا نہیں چلا۔ سحبان سلام کرنے جا رہا تھا کہ رک گیا۔ وہ اس کی کرسی پر دونوں پیر اوپر رکھے، دونوں ہاتھوں سے کشن کو سینے سے

لگائے بڑے اشتیاق سے نظر ادھر جمائے تھی۔ اس کی نظریں بھی اسکرین پر ٹھہر گئیں۔

اسپتال کا منظر تھا۔ فل میک اپ میں پریشان سی ہیروئن کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے کو بے قرار تھے۔ اس کے کانپتے ہونٹ اور لرزتی پلکوں کے کلوز اپ کے بعد ہیرو کی بند ہوتیں کھلتیں مٹھیوں کے کلوز اپ چلے اور ایک لمبے آلاپ کے ساتھ گیت شروع ہوا ساتھ ہی ہیرو کے قدم اٹھے۔ یہ پانچ منٹ کی تمہید چند سیکنڈ کے بوسے کے لیے تھے جو ہیرو نے ہیروئن کے ماتھے پر دیا۔ جس کے بعد ہیروئن کے بے قرار آنسو سہولت سے گالوں پر پھسل آئے۔ قسط وہیں ختم ہوگئی۔ ایک گہری سانس لے کر گلابی اور پر جوش سی ثانیہ اسکرین بند کر کے کھڑی ہوئی اور پیچھے اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

"تم کب آئے؟"

"پورے دس منٹ پہلے۔"

"بتاتے تو، چپ چاپ کیوں کھڑے تھے؟"

"تم اتنی گم تھی کہ ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں لگا۔"

وہ چپ رہی ایسا شاذ ہی ہوتا تھا۔ سجان مسکرا کر جیب سے فون اور چابی نکال کر میز پر رکھنے لگا۔ وہ اپنے فون میں ہی دیکھتی تھی۔ ایک دن سجان نے اسے ڈیسک ٹاپ پر دیکھنے کو کہا کہ اتنی سی اسکرین پر کیا مزا آتا ہے، بڑی اسکرین پر دیکھا کرو اور اب اسے بھی مزہ آیا تھا۔

"تم جلدی آگئے آج؟"

"ایسے سوال میری 'سدھرنے' کی ہلکی ہلکی خواہش اور کوشش ناکام بنا سکتے ہیں۔"

"یہ تمہارے 'بگڑے' ہونے کا اعتراف ہے۔" ثانیہ الماری سے اپنا بستر نکالنے لگی۔

"باہر کیا کرتا ہوں اس سے قطع نظر بگڑا ہونے کا اسٹینڈرڈ لیٹ گھر آنا ہے تو اس لحاظ سے میں بہت زیادہ بگڑا ہوا ہوں، اس سے انکار نہیں۔" اس کے الماری سے ہٹتے ہی وہ اپنے کپڑے نکالنے لگا۔ کتنی ہی دیر ہو یا کتنا ہی تھکا ہو وہ نہائے بنا سوتا نہیں تھا۔

"کل تم پانچ بجے آئے تھے، کہاں تھے اتنی دیر؟" غیر محسوس طریقے سے اس کا ایک ہاتھ کمر پر چلا گیا تھا۔

"ہم دوست ڈھابہ گئے تھے، بھوگنڈی۔"

کچھ دیر وہ ابرو اچکائے اسے دیکھتی رہی پھر مڑ کر بستر بچھانے لگی۔

"اگلی بار جاؤ تو میرے لیے چنے ضرور لانا۔" اس نے کبھی کھائے تھے نہ بھوگنڈی جانے کا موقع ملا تھا لیکن ڈھابے کے خاص چنوں کی تعریفیں بڑی سن رکھی تھیں۔

"او کے۔" غسل خانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی باتیں ہر بار اسے حیران ضرور کرتی تھیں۔ آج تک ملنے والے سینکڑوں لوگوں میں وہ سب سے مختلف تھی۔

☆☆☆

ہفتہ بھر پہلے سے حاذق کی سالگرہ کی تیاریاں چل رہی تھی۔ آج، سالگرہ والے دن اس کی فرمائش اور ہدایات پر وہ غبارے اور ربن سے ہال سجا رہی تھی۔ اس نے اپنے دوستوں کو مدعو کیا تھا اور نصرہ عذرا نے خاندان والوں کو۔ ان کے اصرار پر اس نے شیبا اور حبا کو بھی بلایا تھا۔ بھتیجے کے حکم پر سجان بھی موجود تھا۔

"چاچو! اتنا اوپر نہیں،" اس نے 'ہیپی برتھ ڈے' کے انگریزی حروف کی ڈور دیوار پر لگانے کے لیے ہاتھ اونچا کیا تو حاذق چلایا۔

"نیچے کریں، چاچی نے جہاں رکھا ہے وہاں۔"

"دوسری طرف سے ثانیہ پکڑے تھی۔

"چاچی کی ہائٹ ہی اتنی ہے اس لیے۔" اس نے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

اس نے جواب دینے منہ کھولا اور سجان نے آگے کہا۔ "نو آفینس"

"چپ چاپ برتھ ڈے بوائے کے انسٹرکشن فالو کرو۔" اس نے ناراضی سے کہا۔

"آپ دونوں لڑ رہے ہیں؟" صوفے پر کھڑے حاذق نے سینے پر ہاتھ باندھ کر باری باری دونوں کو دیکھا۔

"نہیں تو۔"

"دونوں نے بیک وقت کہا۔

"باقی ثانی کرلے گی تم میرے ساتھ چلو۔" اس نے دیوار پر ٹیپ سے ڈور چسپاں کر کے حاذق کو صوفے سے اتارا۔

"ابھی کہاں لے جا رہے ہو؟ اسے ریڈی بھی ہونا ہے۔" نضرہ استعمال کے بعد تلف پذیر (ڈسپوزیبل) گلاس اور پلیٹیں لیے اندر آئی۔ یہ سب حاذق کے دوستوں کے لیے تھا۔

"ہم بس ابھی آئے، اس کا گفٹ باقی ہے۔"

"ہاں مما! ہم جلدی آجائیں گے۔" چاچو کے ساتھ بائیک کی سواری ہی اس کے لیے تحفے سے کم نہ تھی۔ وہ فوراً جانے تیار ہوگیا۔

"اچھا، زیادہ دیر مت کرنا۔" نضرہ نے اجازت دے دی۔ وہ دونوں باہر نکل گئے۔

"اتنا کافی ہے ثانی، اب تم بھی تیار ہو جاؤ۔"

"کچن میں کچھ کام ہے تو بتا میں۔" اس نے سجاوٹ کا بچا سامان سمیٹتے ہوئے کہا۔

"کولڈ ڈرنک اور جوس کی بوتلیں ادھر لا کر رکھی ہیں، وہ ماہین لا رہی ہے۔ باقی تو کچھ نہیں۔"

انہوں نے بچوں کے کھانے پینے کا سامان باہر سے منگوایا تھا۔ باقی گھر والوں کے لیے رات کے کھانے کا اہتمام تھا۔ نضرہ نے حاذق کے دوستوں کو دیگر مہمانوں سے پہلے چار بجے مدعو تھا۔

"میں بھی چینج کر کے آتی ہوں، تم اچھے سے تیار ہونا، آج حاذق دوستوں سے اپنی چاچی کو ملوائے گا۔" وہ دونوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

اس کا بھی دل کر رہا تھا سو خوب دل لگا کر تیار ہوئی۔ شادی کے کپڑوں میں سے چمکتا دمکتا سیاہ اور سنہری امتزاج والا جوڑا نکالا۔ کان میں بڑی بڑی چاند بالیاں پہنی، دونوں ہاتھ میں چوڑیاں سجائیں، تن دہی سے میک اپ کیا اور بال کھلے چھوڑ دیے۔ ننھے مہمان آگئے، سحبان حاذق تحفہ خرید کر آگئے لیکن وہ کمرے سے باہر نہ آئی۔ بالآخر حاذق اسے بلانے کمرے میں آگیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔

"چاچی!" روز والی چاچی کے مقابلے سامنے کھڑی چاچی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اسے روز کاٹن کے جوڑے یا کرتے ٹراؤزر والے سادہ حلیے میں دیکھتا تھا۔

"ہوگئی میں ریڈی۔" اس نے لپ اسٹک دراز میں ڈالی۔"

"آپ بڑی پیاری ہیں۔" حاذق نے انگریزی میں کہا۔

"تھینک یو۔" اس نے جھک کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"چلو۔"

ثوبان اور غفران احمد کے علاوہ سب موجود تھے۔ ان دونوں نے رات جلد آنے کا وعدہ کیا تھا۔

"ماشاءاللہ! آج لگ رہی ہوئی دلہن۔" عذرا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"کالج بند ہو تو یونہی تیار شیار رہا کرو، ہمیں بھی تو لگے ابھی ابھی دیورانی لائے ہیں گھر۔" نضرہ نے کہا۔

وہ بس مسکراتی رہی۔ سحبان نے بھرپور نظر اس پر ڈالی مگر کہا کچھ نہیں۔ بچوں کی دھمال اور کھیل کود کے بیچ کیک کٹا، کھانا پینا ہوا۔ ان سب کے جانے سے پہلے ہی رات والے مہمان آنا شروع ہوگئے۔ حاذق کے دوستوں کے جاتے ہی سحبان بھی کمرے میں چلا گیا تھا۔ پھر وہ دوبارہ ثوبان اور غفران احمد کے آنے کے بعد آیا۔ ان کی موجودگی میں حاذق نے پھر کیک کاٹا۔ وہ بڑا پرجوش اور خوش تھا۔ اپنی محفل کے پورے مزے لوٹ رہا تھا۔ حیا شیبا بھی آئی تھیں۔ انہیں ٹرین سے ہی واپس جانا تھا اس لیے وہ کھانا کھاتے ہی چلی گئیں۔ کھانا شروع ہونے سے

پہلے ہی اس نے بال باندھ لیے تھے۔ سب نے بظاہر اس کی تعریف کی جب کہ حقیقتاً کچھ نے اسے دیکھ کر اپنے اندر آگ محسوس کی تھی۔ سب سے آخر میں نُضرہ کا الگ سے فوٹو سیشن شروع ہوا۔

"ہمارے سامنے کیا شرمانا!" حاذق کے ساتھ ان دونوں کی تصویر لیتے ہوئے نُضرہ نے کہا۔ وہ درمیان میں فاصلہ رکھ کر کھڑے تھے۔

"بے شرمی دکھانا بھی ضروری نہیں۔"

تم سے ایسے تکلفات کی امید کسی کو نہیں۔"

"خوش؟" اس نے ثانیہ کے پیچھے سے ہاتھ لے جا کر اسے قریب کیا۔ ثانیہ اس افتاد کے لیے تیار نہ تھی۔

"پرفیکٹ۔" دو تین تصویروں کے بعد نُضرہ نے حاذق کو ہٹا دیا۔

"ثانیہ بال کھول دو۔" اس وقت انکار یا بحث فضول تھی۔ اس نے ہیئر اسٹک نکال دی۔ آزاد ہوتے ہی بال اس کے شانوں کے ساتھ ساتھ سحبان کے کاندھے کو بھی چھونے لگے۔ سحبان نے بالوں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر دوبارہ شانے پر رکھا۔

"اب پوز بدلو بھی۔" ایک دو تصویر کے بعد نُضرہ نے فرمائش کی۔

"آپ خود کو زیادہ ویڈنگ فوٹوگرافر نہ سمجھیں۔"

"اس نے ثانیہ کے پیچھے سے بازو ہٹایا۔

"بس بھابھی، میں بھی تھک گئی بہت۔" اس نے بھی روکا۔"

"ہاں، بچوں نے خوب تھکایا تمہیں۔" انہیں مختلف کھیل کھلانے، جیت ہار کا فیصلہ کرنے اور انعام دینے والے سارے کام اس نے کیے تھے۔

"جاؤ، معاف کیا۔"

سحبان کی خالہ، ان کی بیٹی کے ساتھ ماموں کی دونوں بیٹیاں اور بہو آئی تھیں۔ انہوں نے ایک ساتھ جانے کی اجازت چاہی۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی عذرا سے کہہ کر کمرے میں آ گئی کہ صبح کالج بھی جانا تھا۔ دونوں پھوپھو مع خاندان جانے لگیں تو نُضرہ کے اشارے پر وہ اسے بلانے کمرے میں آیا۔ ثانیہ کپڑے تبدیل کر کے آڑی ترچھی پلنگ پر سو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر اسے جگائے بغیر ہی باہر چلا گیا۔ سب کے چلے جانے کے بعد کمرے میں آیا تب بھی وہ ویسے ہی سو رہی تھی۔ اس نے اس پر چادر ڈالی، بائیک کی چابی لی اور بتی بجھا کر دبے پاؤں باہر نکل گیا۔

فجر سے کچھ پہلے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے لگا ذرا دیر کو آنکھ لگی ہوگی۔

"سحبان آ جاتا تو؟" اس نے فوراً پلنگ چھوڑ کر فون اٹھایا اور وقت دیکھ کر چیخ دبانے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا۔ اس نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی۔ سحبان نہیں تھا، نائٹ بلب جل رہا تھا اور پلنگ پر اس کے اوپر ڈالی گئی چادر تھی۔ اس نے بالکنی میں جھانکا وہ بھی خالی تھی۔ اس کا مطلب وہ رات بھر باہر تھا۔

"میری وجہ سے۔؟" اسے افسوس ہوا۔

وہ وضو کر کے باہر آئی تب وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"مجھے اٹھا دیتے۔" اس نے ایک پل کا تامل نہیں کیا۔

تم اتنی بھی ہلکی پھلکی نہیں۔" اس وقت بھی وہ باز نہیں آیا۔"

"مجھے جگا دیتے۔" اس نے تصحیح کی۔ وہ ہنس دیا۔

"مجھے جانا ہی تھا، دن بھر سے گھر میں قید جو تھا۔" اس نے فون اور چابی رکھ کر رخ الماری کی طرف کیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "ویسے میرا ویٹ ففٹی ہے۔"

"یعنی اگلی بار اٹھاؤں ہی؟" وہ پلٹ کر بولا۔

"تمہارا غلط اندازہ درست کر رہی ہوں۔"

"اوکے۔"

☆☆☆

وہ کمرے میں آیا تو خلاف معمول کمرا ہی نہیں بالکنی بھی خالی تھی۔ وہ آتے ہوئے اسے ہال میں نصرہ کے ساتھ گپے لگاتے دیکھ چکا تھا۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا وہ وہاں سے جلد نہیں اٹھے گی۔ دراز میں چھپایا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر لے کر وہ بالکنی میں چلا آیا۔ سگریٹ جلا کر لائٹر تپائی پر رکھا اور لمبا سا کش لے کر دھواں فضا کے سپرد کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کتنے دن ہوگئے یوں سگریٹ انجوائے کیے۔" اس نے تپائی پر پیر پھیلاتے ہوئے سوچا۔ شادی کے بعد سے بالکنی پر ثانیہ کا ہی قبضہ تھا ورنہ وہ اکثر یہ شغل یہاں پورا کرتا تھا۔ وہ عادی نہیں تھا، کبھی کبھی خواہش ہوتو پی لیا کرتا۔

ابھی دو تین کش ہی لیے تھے کہ آہٹ پر گڑبڑا کر پلٹا۔ وہ پیچھے کھڑی تھی۔ اسے ہمیشہ خیال رہتا تھا کہ ابا نے ضرور اسے اس کی چوکیداری اور جاسوسی پر لگا رکھا ہے۔ چاروں طرف پھیلی مہک اور دھوئیں کے بعد جلتی سگریٹ چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

"اس اسمیل اور دھوئیں کے لیے سوری۔" اس نے چوری پکڑی جانے والی گھبراہٹ چھپانے کی کامیاب کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے لگا تھا تمہارے آنے میں وقت ہے تب تک پی لوں گا۔"

ثانیہ کے اندر مچل رہی، اٹل رہی خواہش سے انجان وہ کھڑا ہوا۔ ثانیہ کو صورت حال کے 'بلیک میلنگ' ہونے کا پورا پورا احساس تھا، ساتھ ہی اپنی خواہش کی 'دھما کا خیزی' کا بھی اندازہ تھا۔

"یہ ہی تو تیری خوداعتمادی کا امتحان ہے ثانی!" اندر والی ثانی نے ڈھارس بندھائی اور سجان کے کمرے میں جانے سے قبل بولی۔

"آں۔ وہ۔" سجان پلٹ کر اس کو دیکھنے لگا۔ "مجھے ایک کش لینا ہے۔" اس نے یہ پانچ الفاظ بڑی تیزی سے ادا کیے تھے۔

ابا اگر اس سے پیار بھرے لہجے میں بات کر لیتے تو اسے ایسا دھچکا نہیں لگتا جو فی الحال لگا۔ اس کی پھیلی آنکھیں اور چہرے کی ہونق سی حیرت نظر انداز کر کے اس نے سگریٹ لینے ہاتھ بڑھایا۔ یہ خوداعتمادی سجان کو چاروں خانے چت کر چکی تھی۔ اس نے سگریٹ کا جلتا سرا اپنی طرف کر کے ہاتھ آگے کیا۔

"فرسٹ ٹائم؟" وہ ابتدائی جھٹکے کے بعد سنبھل گیا تھا اور اپنے 'انقلابی' جملے کے بعد اب وہ نروس تھی۔

"ہاں تو۔ مجھے کیا سمجھتے ہو تم؟" سر ہلاتے ہوئے اس نے مشاق اسموکرز کی طرح سگریٹ انگلیوں میں دبانے کی بھونڈی کوشش کی۔

"میں معصوم تو تمہیں اس فرمائش کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔"

اس منصوبہ بند حادثے کو دیکھنے کا اشتیاق سجان کے چہرے پر بکھرا تھا۔ ثانیہ کی ساری توجہ اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کی طرف تھی۔ اس نے جھجکتے ہوئے سگریٹ لبوں کے قریب کیا۔

"چھوٹا سا کش لو اور منہ میں بھر کر دھواں نکال دینا، اندر نہیں لینا، پورا منہ دھوئیں سے بھی نہیں بھرنا۔" اس نے 'ایکسپرٹ ایڈوائز' کے ذریعے رہنمائی ضروری سمجھی۔ فرمانبردار شاگرد کی طرح اس نے سر ہلا کر سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سانس اندر کھینچی اور ہاتھ لبوں سے دور کیا۔ دھواں بے قابو ہو کر حلق سے نیچے اترا، وہ کھانستی اس سے پہلے ہی عذرا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئیں۔

"سجان!" ان کی آواز سنتے ہی سجان نے جھٹ ایک ہاتھ اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اسے دھکیل کر سلائیڈنگ سے لگایا جہاں پردے کی وجہ سے عذرا اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری سگریٹ وہ پیر سے دور کر چکا تھا۔

"تمہارے ابا بلا رہے ہیں تمہیں، ثانی کہاں

ہے؟ تم وہاں کیا کر رہے ہو؟" ان کے تابڑ توڑ سوال اور اس کا ہاتھ ہٹانے کو تڑپ رہی، ہاتھ پیر مار رہی ثانیہ۔

"امی! تھوڑی تو پرائیویسی رہنے دیں۔" اس نے ٹھنک کر احتجاج کیا۔ وہ جتنا عذرا کو نظر آرہا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ کہیں اور مصروف ہیں۔

"سوری، سوری۔" وہ ہاتھ اٹھا کر پیچھے ہوئیں۔

"مجھے ناک کرنا چاہیے تھا۔" وہ فوراً دروازے سے باہر نکل گئیں اور سحبان نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا کر اسے آزاد کیا۔

ثانیہ کی جیسے جان واپس آئی۔ وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔ کتنی دیر وہ ادھر ادھر ہوتی جھکتی اٹھتی، بے حال کھانستی رہی اور سحبان اس کی پشت سہلاتا رہا۔

"مار ڈالا تھا تم نے مجھے آج!" کھانسی کا دورہ ختم ہوتے ہی وہ کرسی پر گر گئی۔

"سوری۔" وہ بھی سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں مار کر ابا سے قتل ہونے کا پلان نہیں میرا، ویسے تمہارے ایسے نیک ارادے تھے تو پہلے دروازہ لاک کرنا چاہیے تھا ناں۔"

"میرا کوئی ارادہ نہیں تھا، وہ تو بس تمہارے ہاتھ میں جلتی سگریٹ دیکھ کر دل مچل گیا تھا۔" اس نے گلے پر ہاتھ پھیرا۔

بڑی دھماکے دار چیزوں کے لیے دل مچلتا ہے تمہارا۔"

"پورا حلق جل رہا ہے میرا۔"

پہلے پہلے ہوتا ہے، ہمیشہ نہیں۔" اس نے گویا حوصلہ بڑھایا۔

"مجھے ایڈیکٹ نہیں بننا ہے۔" ثانیہ نے اسے گھورا۔

"ہمم۔۔۔" اس نے 'دیکھیں گے' انداز میں سر ہلا کر ہنسی دبائی۔

"سوچو ذرا تمہاری کھانسی سن کر امی ادھر آجاتیں تو؟"

"تو میں کہہ دیتی تم زبردستی مجھے سگریٹ پلانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"اسی لیے تمہارا منہ بند کیا تھا میں نے!" وہ مسکرایا۔

"ابا کتنی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تمہارے متعلق کہ تم شریف لڑکی ہو، چہ چہ۔"

"سگریٹ پینے والے شریف نہیں ہوتے؟ اب تم خود ہی خود کو شریف ماننے سے انکار کر رہے ہو۔"

اپنی کرسی سے اٹھ کر یونہی جھکے جھکے اس نے ثانیہ کی کرسی کے دستوں پر ہاتھ رکھ کر چہرہ اس کے چہرے کے قریب کیا۔

"میں نے کبھی شرافت کا دعویٰ کیا بھی نہیں۔" وہ اچانک اس کے اتنے قریب آنے کے لیے تیار نہیں تھی، کچھ کہہ سکی نہ گھبراہٹ سنبھال سکی۔

"ابا کے دربار میں حاضری دے کر آتا ہوں۔" اس کا گلابی سا چہرہ کچھ پل انجوائے کرنے کے بعد وہ سیدھا ہوا۔

"آنٹی سے وہ بکواس کیوں کی؟" اس نے اپنی مغلوب کیفیت کا اثر زائل کرنے ڈپٹ کر پوچھا۔

"آپ کی بہو سگریٹ سے شغل فرما رہی ہے، اس بکواس سے اچھی وہ بکواس تھی، اس لیے۔" اس نے پلٹ کر جتایا۔ وہ بالکنی سے کمرے میں چلا گیا۔

وہ اسے دروازہ کھول کر باہر نکلنے تک دیکھتی رہی پھر کرسی کی پشت پر سر رکھ کر گلا سہلانے لگی۔ ذرا دیر پہلے والا منظر ذہن میں دہراتے ہوئے اسے بے اختیار ہنسی آگئی۔

"بڑا اوکھا کام ہے یہ تو!" اس نے سوچا لیکن اس کام سے توبہ اب بھی نہیں کی۔

ادھر ابا کے کمرے میں پہنچنے تک اس نے کتنی باتیں سوچ ڈالیں۔ وہ خوش ہونا چاہتا تھا کہ ثانیہ کی ایک کمزوری اس کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ لیکن کتنی سارے خیالات الٹنے پلٹنے کے بعد یہ خیال زیادہ پکا

ہو گیا کہ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کی کمزوریاں لگی ہیں۔

☆☆☆

کسی ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے اپنی ٹیم کے ساتھ وہ دہلی جا رہا تھا۔ اس کی پیکنگ چل رہی تھی ساتھ پاس بیٹھے حاذق کی زبان بھی۔ وہ بھی فٹ بال کا عاشق تھا۔ اکثر چھٹی کے دن وہ دونوں کمپیوٹر پر گھنٹوں فیفا کھیلتے۔ وہ مسلسل پورے جوش میں محمد صلاح اور نیمار کے متعلق بات کر رہا تھا۔

سحبان بھی پوری دلچسپی سے یوں اس کے ساتھ محو تھا مانو وہ چھ سال کا بچہ نہیں اس کا ہم عمر ہو۔ اسے صبح نکلنا تھا۔ خلاف معمول رات کا کھانا سب کے ساتھ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر باہر گیا اور آ کر سو گیا۔ اسے اسائنمنٹ مکمل کرنا تھا وہ بڑی دیر تک جاگتی رہی۔ کچھ دن بعد ہی کلاسز بند ہو جانا تھیں۔

"تم بھی کچھ دن کے لیے گھر ہو آؤ۔" اس کے جانے کے بعد عذرا نے کہا اور وہ بھی میکے آ گئی۔

اسے یہ بھی علم نہیں تھا وہ کتنے دن کے لیے گیا ہے۔ امی کی طرف آ کر اس نے پیغام بھیجا۔

"کب آؤ گے؟"

"سیٹرڈے۔"

"او کے۔"

اس کے آگے ثانیہ نے مزید کچھ لکھا نہ ادھر سے کوئی پیغام آیا۔ وہ جمعہ کی رات واپس آ گئی۔ ساس کو خوش رکھنے کی اہمیت اس نے اپنی بہنوں اور کزنز کی باتوں سے سیکھی تھی۔

صبح وہ اپنی تیاری کر رہی تھی جب سحبان نے ایک تہ کیا کپڑا اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ تمہارے لیے۔" اس نے بیگ ایک طرف رکھ کر حیران ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ کھول کر دیکھا تو وہ گرے اور سیاہ امتزاج کا ملائم اسکارف تھا۔

"واہ! تھینک یو، خوب صورت ہے۔" اسے واقعی پسند آیا۔

"تھینک گاڈ! تمہارے اعلانیہ رومانٹک ہونے کی وجہ سے میں کچھ اور خریدنے والا تھا۔"

"کیا؟" تجسس لازمی تھا۔

"وہ تاج محل کے ریپلیکاز بہت تھے وہاں یا پھر وہ......"

"اچھا کیا وہ سب نہیں لائے، میں اس ٹائپ کی رومانٹک نہیں ہوں۔"

"اچھا۔ اس کی بھی قسمیں ہوتی ہیں، کہیں تم ایک ناریل اور دو اسٹرا والی رومانٹک تو نہیں؟"

"توبہ کرو سحبان!" اس نے باقاعدہ جھرجھری لی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"اور سب کے لیے کیا لائے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"ہیں؟"

"حاذق کے لیے اسکیٹس لیے تھے اور یہ۔۔۔ تم ہی نقاب پر یہ اوڑھتی ہو اور تو کوئی یوز نہیں کرتا گھر میں۔"

"اچھا۔" اس جواب پر اندر سے جو رد عمل ابھرا، اس پر وہ جز بز ہوئی۔

وہ اسے اللہ حافظ کہتی کمرے سے نکل گئی۔ نیچے اترنے تک وہ اس جملے میں الجھی تھی۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آئی تو فون بج رہا تھا۔ اس کے میز تک پہنچتے تک رنگ ختم ہو گئی۔ اس نے فون اٹھایا۔ عبدالسمیع کی دو مسڈ کالز تھیں۔ وہ فون لگاتی اس سے قبل پھر ادھر سے کال آ گئی۔

"السلام علیکم ابو۔"

"میں ہوں آپی،" دوسری طرف گھبرائی حبا تھی۔"

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

آسیہ رئیس خان

عشق کیجیے

مکمل ناول

digestlibrary.com

پہلی قسط کا خلاصہ

سحبان ایک لاابالی لڑکا ہے جو ذمہ داریوں سے دور بھاگتا ہے اسی لیے وہ شادی کرنا بھی نہیں چاہتا۔ راتوں کو دیر سے گھر آتا ہے اور دوستوں میں وقت گزارتا ہے۔

غفران احمد (سحبان کے والد) سحبان کو ایک لفافہ دیتے ہیں کہ چرنی روڈ اسٹیشن پر عبدالشکور کو دے کر آؤ۔ وہ ٹرین کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ ذرا فاصلے پر دو لڑکیاں بیٹھی نظر آتی ہیں۔ ان کی آواز اس تک پہنچ رہی ہوتی ہے۔ وہ ان کی گفتگو سنتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ عبایا والی لڑکی ثانیہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اسے اپنے والد کی ذمہ داریوں کو بانٹنا ہے۔

خوشنما ثانیہ کی دوست ہے۔ ثانیہ اپنے دل کی ہر بات خوشنما سے کرتی ہے۔

سحبان کا فجر کے وقت غفران احمد سے لفٹ کے پاس ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ غفران احمد سمجھ جاتے ہیں کہ وہ اس وقت گھر آیا ہے۔ وہ حکم صادر کر دیتے ہیں کہ یا تو سحبان پھپھو کی بیٹی طرد بہ سے شادی کرے یا پھر ان کے ساتھ کارخانے میں کام کرے۔

غفران احمد اور عبدالسمیع کے والدین لکھنؤ کے قریبی دیہاتوں سے برسوں قبل ممبئی آئے تھے۔ تلاش روزگار میں بھٹکتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اور دونوں دوست بن گئے۔ والدین کی دوستی کے بعد بچپن کے ساتھی عبدالسمیع اور غفران احمد نے بھی یہ تعلق قائم رکھا۔

غفران احمد کے دو بیٹے ہیں۔ ثوبان اور سحبان۔ ثوبان کی شادی اپنی پھوپھو کی بیٹی نصرہ سے ہوئی ہے۔ ان کا ایک بیٹا حاذق ہے۔

عبدالسمیع کی پانچ بیٹیاں ہیں یسریٰ، بشریٰ، ثانیہ، شیبا اور حیا۔ یسریٰ کی شادی اعجاز سے اس کی اپنی پسند سے ہوئی تھی دونوں ایک ساتھ اسکول میں جاب کرتے تھے۔ اعجاز اور اس کے گھر والوں کا رویہ روکھا سا ہے۔

بشریٰ اپنے دیور سے ثانیہ کی شادی کرنا چاہتی ہے۔

ماہین کو غفران احمد گاؤں سے لائے تھے۔ وہ گھر کے سارے کام کرتی ہے۔

بظاہر وہ گھر کے ایک فرد کی طرح ہی رہتی ہے۔

بشریٰ ثانیہ کی شادی اپنے دیور سے کرنا چاہتی ہے۔

غفران احمد سحبان کے ساتھ عبدالسمیع سے ملنے آتے ہیں۔ وہاں سحبان اس کے اسکارف سے پہچان جاتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جو اسٹیشن پر بیٹھی اپنی دوست سے باتیں کر رہی تھی۔

سحبان دوسرے دن ثانیہ کو فون کرتا ہے اور ملنے کا کہتا ہے۔ ثانیہ اس سے ملنے جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اس کا اور ثانیہ کا مسئلہ ایک ہی ہے کہ دونوں کے پلانز میں شادی شامل نہیں ہے لیکن گھر والے شادی کروانے کے درپے ہیں تو اس لیے ہم دونوں شادی کر لیتے ہیں۔ شادی کے بعد تم وہ کرو جو تمہارے پلانز میں ہے۔ وہ وہ کروں جو میرے پلانز میں ہے۔

ثانیہ یہ سن کر بھڑک جاتی ہے اور اس کو انکار کر کے وہاں سے چلتی جاتی ہے۔
ثانیہ گھر پہنچتی ہے تو پھوپھو اپنے سپوت جواد کے ساتھ گھر میں موجود ہوتی ہیں۔ جواد سے چلی اتفاق سے ثانیہ کو سحبان کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔ اور تصویر بھی لے لیتا ہے۔
ابو کے سوال کرنے پر ثانیہ آدھا سچ بتاتی ہے کہ سحبان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے بارے میں میری رائے جاننا چاہتا ہے۔ ثانیہ سحبان کو میسج کر کے اس کی شرائط مان لیتی ہے۔

سبحان اور ثانیہ کی شادی ہو جاتی ہے۔
ثانیہ کے گھر سے فون آتا ہے ثانیہ فون اٹھاتی ہے تو حبا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دیتی ہے۔
اب آگے پڑھیے

digestlibrary.com

دوسری اور آخری قسط

"کیا ہوا؟ ابو کہاں ہیں؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

ابو کے پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا امی اور شیبو آپی انہیں ہاسپٹل لے گئی ہیں۔"

"کب ہوا یہ؟ اسی وقت فون کیوں نہیں کیا؟ کون سے ہاسپٹل؟" بات کرتے ہوئے الماری سے عبایا اور اسکارف نکالا اور پلنگ پر پھینکا۔

حبا نے اسپتال کا نام بتایا۔

"اچھا تم پریشان نہ ہو، گھر میں کون کون ہے؟"

"میں اور دادی ہی ہیں۔" حبا نے جواب دیا۔

"اچھا دعا کرو، فکر نہ کرو۔ میں ابھی ہاسپٹل کے لیے نکل رہی ہوں، اللہ حافظ۔" اس نے فون رکھتے ساتھ دوپٹا بھی پلنگ پر پھینک کر غسل خانے کا رخ کیا۔ عبایا پہنا، ہینڈ بیگ شانے پر لٹکایا اور اسکارف لپیٹتے ہوئے جوتوں میں پیر ڈال کر باہر نکلی۔

ہال میں ثوبان اور سبحان کے علاوہ سب موجود تھے۔

"ابو کو شدید پیٹ درد کے بعد امی اور شیبا الحبیب ہاسپٹل لے گئی ہیں۔ میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔"

"چلو۔" غفران احمد اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

"چاچا جان! میں ٹرین سے جلدی پہنچ جاؤں گی۔" ہینڈ بیگ شانے پر ڈال کر اس نے اسکارف پر پن لگائی۔

"ہاں ٹرین سے ہی چلتے ہیں۔" وہ اس سے پہلے دروازے سے باہر نکل گئے۔

"دعا کریں سب پلیز۔" اس نے عذرا، نُضرہ، ماہین اور حاذق سے التجا کی۔

"اللہ اپنا کرم بنائے رکھے، کچھ نہیں ہوگا، تم جاؤ۔" نُضرہ نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

اسپتال پہنچنے تک فون پر اتنا علم ہو گیا تھا کہ اپینڈکس کا شدید انفیکشن اس درد کی وجہ ہے اور فوری سرجری کی ضرورت ہے۔ وہ اسپتال پہنچے تب تک شیبا ایڈمیشن کی کارروائی مکمل کر چکی تھی۔ کچھ ٹیسٹ کے بعد ایمرجنسی سرجری شروع ہونا تھی۔

"کیا بات ہے بھئی بڑے جلدی جلدی اسپتال آنے لگے ہو؟" دوست کے سفید چہرے کو دیکھتے ہوئے غفران احمد نے بشاشت سے کہا۔ عبدالسمیع نقاہت کے باوجود مسکرا دیے۔

"کچھ نہ کہیں ابو۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام کر انہیں روکا۔ انہیں دیکھ کر ہی لگ رہا تھا بات کرنا ان کے لیے مشکل ہے۔ "چاچا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں، اس کے بعد نہیں آنا ہم نے یہاں، آپ کو اتنا خیال رکھنا ہے اپنا......" اس نے سر اٹھا کر شیبا کو دیکھا۔ "اور تم نے بھی۔"

اس نے سر ہلا کر جیسے وعدہ کیا۔ تبھی نرس نے آ کر کچھ کاغذات امی کو تھمائے۔

"یہ بلنگ کاؤنٹر پر پے کر دیں، اب انہیں او ٹی لے جانا ہے۔" اس کے پیچھے وارڈ بوائز بھی تھے۔

"آپ سب سمیع کے ساتھ جائیں، میں آتا ہوں۔" غفران احمد نے سفینہ کے ہاتھ سے کاغذات لیتے ہوئے کہا۔

عبدالسمیع کے او ٹی میں جانے کے بعد وہ دونوں انتظار گاہ میں ماں کو تسلیاں دے رہی تھیں جو شوہر کے اندر جاتے ہی رونے لگی تھیں۔

"امی! رو نہیں تو نہیں دعا کریں کہ اللہ سب بہتر کرے۔"

"امی! اس طرح آپ بیمار ہو جائیں گی۔"
شیبا جو ٹہل رہی تھی ان کے پاس آ کر رک گئی۔
انہیں اندازہ تھا بیٹیاں کیسے صبر کیے خود کو بہادر ظاہر کر رہی ہیں اس لیے سنبھل گئیں۔
"یسریٰ اور بشریٰ کو بتا دو، وہ بھی دعا کریں گی اور اماں اور حبا کو بھی۔" سفینہ نے گال خشک کرتے ہوئے کہا۔
"میں کرتی ہوں کال۔" شیبا ذرا پرے جا کر فون لگانے لگی۔ کچھ دیر بعد غفران احمد بھی آ گئے۔
"یہ بڑی ریگولر اور عام سرجری ہے، پریشان نہ ہو۔" ان دونوں کی شکلیں دیکھ کر انہیں یہ تسلی دینا ضروری لگا۔ ان دونوں نے بھی تائید میں سر ہلا کر خود کو حوصلہ دیا۔
"بتا یا دیا امی، گھر پر اور دونوں آپاؤں کو بھی۔"
"کھانا کھایا تھا آپ دونوں نے؟" انہوں نے سفینہ اور شیبا کو مخاطب کیا۔
"جی۔"
ڈاکٹر نے جو متوقع وقفہ کہا تھا آپریشن کو اس سے زیادہ وقت لگ رہا تھا اور ادھر مریض کے باہر نکلنے کے منتظر افراد کی دھڑکنیں اور اندیشے بڑھتے جا رہے تھے۔ عبدالسمیع کے باہر نکلنے سے پہلے ثوبان اور سحبان بھی آ گئے۔ اللہ اللہ کر کے ڈاکٹر کی شکل نظر آئی۔
"آپ بالکل وقت پر پہنچ گئے تھے، تھوڑی اور دیر ہوتی تو اپینڈکس برسٹ ہو سکتا تھا۔ آپریشن اچھا رہا، پیشنٹ بالکل ٹھیک ہے۔ آپریشن کے دوران ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا اس لیے پریکاشن کے طور پر رات بھر انہیں آئی سی یو میں انڈر آبزرویشن رکھیں گے...... " ان سب کے متغیر ہوتے چہرے دیکھ کر ڈاکٹر نے فوراً کہا۔ "پریشانی والی کوئی بات نہیں، پیشنٹ اسٹیبل ہے، یہ بس پروٹوکول ہے۔" ان کی تسلی کے لیے ڈاکٹر مسکرایا۔
غفران احمد نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔
"آئی سی یو شفٹ ہونے کے بعد آپ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔" جانے سے پہلے ڈاکٹر نے کہا تھا۔
"ابو کو دیکھ کر امی، آپ اور شیبا جائیں گھر، میں ہوں یہاں، چاچا جان آپ لوگ بھی۔" ثانیہ نے فون میں وقت دیکھنے کے بعد کہا۔ شیبا پھر ایک طرف جا کر سب کو فون کرنے لگی تھی۔
"سب گھر چلیں سحبان رک جائے گا۔"
ثوبان نے کہا۔
"جی۔" سحبان نے پہلی بار منہ کھولا۔
"ابو کے پاس میں رکوں گی۔" اس نے دھیرے سے لیکن حتمی انداز میں کہا۔
آئی سی یو میں وہ سب انہیں دور سے ہی دیکھ سکے تھے۔ نرس نے یقین دلایا تھا کہ صبح وہ ملنے دے گی۔
"چلیں۔" غفران احمد نے سفینہ سے کہا۔
"پہلے آپ دونوں کو گھر ڈراپ کرتے ہیں۔"
"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں گھر سے؟ چاچا جان واپس ہوتے ہوئے دیتے جائیں گے۔" شیبا نے پوچھا۔
"نہیں۔" اس نے سوچے بنا جواب دیا۔ باہر جانے سے پہلے سفینہ نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا۔
"یہ کچھ پیسے رکھو اور غفران بھائی نے جو پے منٹ کی ہے وہ اماونٹ مجھے میسج کر دینا۔"
"وہ میں دیکھ لوں گی اور پیسے ہیں میرے پاس۔" اس نے ان کے ہاتھ سے نوٹ لے کر واپس ان کے ہینڈ بیگ میں ڈال دیے۔
آئی سی یو کے باہر ایک ساتھ لگی کرسیوں پر بیٹھی وہ سرجری اور اس کے دوران کے اتار چڑھاؤ سوچ کر ہولتی رہی۔ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی جب سحبان لفٹ سے نکل کر اس کی سمت آتا دکھائی دیا۔
"کیا رہ گیا اب؟" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ یقیناً سفینہ اور شیبا کو گھر پہنچا کر واپس جاتے ہوئے یہاں آیا تھا۔ سحبان آ کر اس کے بازو میں بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ میں تھامی کاغذی تھیلی دونوں کے درمیان رکھی۔ جس میں سفینہ نے چادر اور شال دی تھی۔
"تم نہیں گئے؟" اس نے تھیلی میں جھانک کر

دیکھا۔ اگر وہ یہ سامان دینے آیا تھا تو اب چلے جانا چاہیے تھا مگر وہ یونہی بیٹھا رہا۔

"میں چاچا جان سے کہتی ہوں۔" اس کے انکار میں سر ہلانے پر اس نے عبایا کی جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا۔

"ثانی!" اس اچانک اور بے وقت نرم سی پکار پر اس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"نہ میں چھوٹا بچہ ہوں کہ ابا ڈانٹ ڈپٹ کر مجھے کلاس میں بیٹھنے پر مجبور کریں، نہ تم وہ کلاس ٹیچر ہو جو روتے بچے کے پیرنٹس کو بلا کر اسے ان کے ساتھ روانہ کر دے، میری 'اپنی مرضی' کرنے والی عمر ہے۔"

ثانی سے زیادہ یہ غیر متوقع تھا۔ وہ واقعی کچھ دیر کے لیے گنگ رہ گئی۔

"اوووووو...... کے!" اس نے فون واپس جیب میں ڈال دیا۔ سحبان نے سر کو جنبش دے کر اس سے نظر ہٹا لی۔

"تم نے ابھی خود کو روتا بچہ کہا۔" کچھ پل بعد اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تمہیں وہی لگ رہا تھا ناں میں اس وقت، ابا کی زبردستی پر دل میں روتا بچہ۔"

اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی لیکن کہا کچھ نہیں۔

"چائے یا کافی؟" کچھ دیر بعد وہ کھڑا ہوا۔

"چائے۔" اس نے کہا۔ وہ نیچے چلا گیا۔

وہاں اس کے علاوہ دو اور مریضوں کے لواحقین بھی موجود تھے، ایک مرد اور ایک خاتون۔

مرد ایک دیوار سے اپنی دری بچھا کر لیٹ چکا تھا۔

"تم نے کھانا کھایا تھا؟" سحبان واپس آیا تو اس کے ساتھ کیتلی لیے ایک نوعمر لڑکا تھا جس نے چھوٹے سے کانچ کے گلاس میں چائے نکال کر اسے تھمائی۔ اسپتال کی اپنی کینٹین نہیں تھی۔

"ہمم..... تم نے؟" گلاس لیتے ہوئے اسے یاد آیا۔

"نہیں۔"

"تو پہلے کھا لیتے پھر چائے پیتے۔"

"سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔" اس نے جلدی جلدی چائے ختم کی۔

"کچھ چاہیے؟" جانے سے پہلے اس نے پوچھا۔ ثانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ چلا گیا۔

پانچ چھ ایک ساتھ جڑی اسٹیل کی کرسیاں بڑے بے آرام تھیں۔ اسی طرح تین قطاریں تھیں کرسیوں کی۔ وہ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کے قریب آئی۔ دو بج چکے تھے۔ شہر کے اس حصے میں کسی بھی وقت کھانا اور چائے ملنا مشکل تو نہ تھا لیکن اس وقت کھڑکی سے نظر آرہے نظارے میں کہیں کوئی ہوٹل یا دکان کھلی نہیں تھی۔

"جانے کتنی دور جانا پڑا ہو۔" اس نے سحبان کے متعلق سوچا۔ اس کے پاس گاڑی یا بائیک بھی نہیں ہے۔ "وہ اور ثوبان کار سے آئے تھے جو جا چکی تھی۔"

اس کا ذہن پھر آئی سی یو میں درد اور دوائیوں کے زیر اثر بستر پر لیٹے ابو کی سمت چلا گیا۔ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی جب وہ سحبان کی آواز پر چونکی۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"تم کب آئے؟"

"ابھی۔"

وہ اس کے ساتھ پھر ان کرسیوں تک آ گئی۔

اب وہ خاتون بھی ایک جانب بستر لگا کر سو گئی تھیں۔ ان کے 'بستر' سے پتا چل رہا تھا کہ وہ یہاں کافی دنوں سے ہیں۔ بتیاں بھی بند تھیں۔ آئی سی یو اور کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی۔

"تم بھی لیٹ جاؤ، میں ادھر بیٹھتا ہوں۔" وہ سامنے والی کرسیوں کی سمت جانے لگا تھا کہ ثانیہ نے روکا۔

"نہیں، نیند نہیں آئے گی۔" وہ بیٹھ گئی۔ کچھ توقف کے بعد وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس نے دوسری طرف رکھا لفافہ اس کی سمت بڑھایا۔

"یہ کیا؟" اس نے لفافہ لے کر اندر جھانکا۔ اس میں چپس بسکٹ کے پیکٹ، جوس کے ٹیٹرا پیک، چاکلیٹ بار اور پانی کی بوتل تھی۔

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی۔

"تم بھی گھر چلی جاتیں، میں تھا یہاں۔" سحبان نے کہا۔ اسے کہاں علم تھا کہ وہ واپس آئے گا اور اگر ہوتا بھی تو اس نے کہاں جانا تھا۔

"میرا دل لگتا نہ نیند آتی، سب کچھ ادھر اٹکا رہتا اور یہ میری ذمہ داری، میرا فرض ہے۔" اندر والی ثانی نے گردن اکڑا کر سینے پر ہاتھ باندھے۔

سحبان نے تعریفی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی۔ ہر سمت سناٹا تھا ان کے علاوہ موجود دو افراد سو چکے تھے۔ چونکہ چھوٹا سا نجی اسپتال تھا اس لیے آئی سی یو میں زیادہ مریض نہیں تھے۔ سحبان نے اس سے تفصیل پوچھی اور اس نے سفینہ شیبا سے کی باتیں اسے گوش گزار کرائیں۔ دوپہر سے عبدالسمیع کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ ہلکے درد اور متلی کے بعد بخار کے ساتھ درد نے شدت اختیار کر لی۔ گھر میں موجود دوائیں لے کر اگلی صبح اسپتال جانے کا ارادہ کیا لیکن مسلسل بگڑتی طبیعت نے دس بجے انہیں اسپتال جانے پر مجبور کر دیا۔

پرسکون رات میں اسپتال کی خاموشی اور وہیں محو خواب دو افراد کی وجہ سے وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ اس دوران وہ چپس اور چاکلیٹ کھا چکی تھی۔ سحبان نے اس کے اصرار پر جوس کا ٹیٹرا پیک کھولا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر کال آئی اور وہ اٹھ کر دوسرے سرے پر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ منیب سے اگلے دن میچ میں شامل نہ ہونے اور اس کے متبادل کے انتخاب کی مغز ماری کے بعد وہ فون بند کر کے واپس آیا تو ثانیہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی اس کی گردن آگے جھکی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر تھیلی سے چادر نکال کر کرسیوں پر بچھائی اور آہستہ سے ثانیہ کو لٹا دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ جاگ جائے گی لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ اس کے پیروں سے جوتے نکالنے اور پیر اوپر رکھنے کے عمل نے بھی اس کی نیند میں خلل نہیں ڈالا۔ اس کے اوپر شال ڈال کر وہ سامنے والی کرسی پر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ کانوں میں ایئر فون پھنسا کر موبائل میں کھیل شروع کر چکا تھا۔

"یا اللہ میں کیسے سو گئی؟"

آنکھ کھلتے ہی اس طبعی عمل نے اسے ندامت میں مبتلا کیا۔ اس نے پوزیشن بدلنا چاہی اور فوراً احساس ہوا کہ اس کا سر سحبان کے زانو پر ہے اور سحبان کا ایک ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ اسے فوراً یہ بھی یاد آیا کہ ہمیشہ فرش پر سونے والی نے جب بھی پلنگ پر سونے کی کوشش کی، نتیجے میں حادثے ہی ہوئے تھے۔ اس کے زانوں پر سر اور شانے پر دھرے سحبان کے ہاتھ کے پیچھے کی ممکنہ وجوہات کا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا اور اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"لعنت ہے ثانی!"

آہستہ سے سحبان کا ہاتھ ہٹا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ باہر اندھیرا ہی تھا۔ اس نے جیب سے فون نکال کر وقت دیکھا پانچ بج رہے تھے۔ اس نے جوتے پہنے اور آئی سی یو کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ نرس سے اس نے عبدالسمیع سے ملنے کو کہا۔ خلاف امید نرس اسے اندر لے گئی۔ شیشے کے اس پار مختلف مشینوں کے بیچ وہ سو رہے تھے۔ نرس سے ڈھیروں سوال جواب کر کے باہر آئی تو سحبان سینے پر ہاتھ باندھے اب بھی سو رہا تھا۔

"سحبان!" اس کے شانے پر انگلیاں مارتے ہوئے اس نے اس کی نیند پر دستک دینے کی کوشش کی۔

"سحبان!"

"ہممم۔" اس نے سیدھے ہو کر آنکھیں کھولیں۔

"لیٹ جاؤ۔" اس نے چادر پر پڑی شال اٹھا کر چادر درست کی۔ سحبان نے اس کے ہاتھ سے شال لے کر گول مول سا تکیہ بنایا، اس پر سر رکھ کر لیٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کاغذی تھیلی میں ایک اور چادر تھی۔ اس نے کھول کر اس کے اوپر پھیلا دی۔

"اس سچوئشن میں رومانس کیسے سوجھ سکتا ہے؟ یہ فلموں ڈراموں والے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کچھ

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی۔

"تم بھی گھر چلی جاتیں، میں تھا یہاں۔" سبحان نے کہا۔ اسے کہاں علم تھا کہ وہ واپس آئے گا اور اگر ہوتا بھی تو اس نے کہاں جانا تھا۔

"میرا دل لگتا نہ نیند آتی، سب کچھ ادھر اٹکا رہتا اور یہ میری ذمہ داری، میرا فرض ہے۔" اندر والی ثانی نے گردن اکڑا کر سینے پر ہاتھ باندھے۔

سبحان نے تعریفی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی۔ ہر سمت سناٹا تھا ان کے علاوہ موجود دو افراد سو چکے تھے۔ چونکہ چھوٹا سا نجی اسپتال تھا اس لیے آئی سی یو میں زیادہ مریض نہیں تھے۔ سبحان نے اس سے تفصیل پوچھی اور اس نے سفینہ شیبا سے سنی باتیں اسے گوش گزار کرائیں۔ دوپہر سے عبدالسمیع کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ ہلکے درد اور متلی کے بعد بخار کے ساتھ درد نے شدت اختیار کر لی۔ گھر میں موجود دوائیں لے کر اگلی صبح اسپتال جانے کا ارادہ کیا لیکن مسلسل بگڑتی طبیعت نے دس بجے انہیں اسپتال جانے پر مجبور کر دیا۔

پرسکون رات میں اسپتال کی خاموشی اور وہیں محو خواب دو افراد کی وجہ سے وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ اس دوران وہ چپس اور چاکلیٹ کھا چکی تھی۔ سبحان نے اس کے اصرار پر جوس کا ٹیٹرا پیک کھولا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر کال آئی اور وہ اٹھ کر دوسرے سرے پر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ منیب سے اگلے دن میچ میں شامل نہ ہونے اور اس کے متبادل کے انتخاب کی مغز پاشی کے بعد وہ فون بند کر کے واپس آیا تو ثانیہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی اس کی گردن آگے جھکی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر تھیلی سے چادر نکال کر کرسیوں پر بچھائی اور آہستہ سے ثانیہ کو لٹا دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ جاگ جائے گی لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ اس کے پیروں سے جوتے نکالنے اور پیر اوپر رکھنے کے عمل نے بھی اس کی نیند میں خلل نہیں ڈالا۔ اس کے اوپر شال ڈال کر وہ سامنے والی کرسی پر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ کانوں میں ایئر فون پھنسا کر موبائل میں کھیل شروع کر چکا تھا۔

"یا اللہ میں کیسے سو گئی؟"

آنکھ کھلتے ہی اس طبعی عمل نے اسے ندامت میں مبتلا کیا۔ اس نے پوزیشن بدلنا چاہی اور فوراً احساس ہوا کہ اس کا سر سبحان کے زانو پر ہے اور سبحان کا ایک ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ اسے فوراً یہ بھی یاد آیا کہ ہمیشہ فرش پر سونے والی نے جب بھی پلنگ پر سونے کی کوشش کی، نتیجے میں حادثے ہی ہوئے تھے۔ اس کے زانوں پر سر اور شانے پر دھرے سبحان کے ہاتھ کے پیچھے کی ممکنہ وجوہات کا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا اور اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"لعنت ہے ثانی!"

آہستہ سے سبحان کا ہاتھ ہٹا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ باہر اندھیرا ہی تھا۔ اس نے جیب سے فون نکال کر وقت دیکھا پانچ بج رہے تھے۔ اس نے جوتے پہنے اور آئی سی یو کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ نرس سے اس نے عبدالسمیع سے ملنے کو کہا۔ خلاف امید نرس اسے اندر لے گئی۔ شیشے کے اس پار مختلف مشینوں کے بیچ وہ سو رہے تھے۔ نرس سے ڈھیروں سوال جواب کر کے باہر آئی تو سبحان سینے پر ہاتھ باندھے اب بھی سو رہا تھا۔

"سبحان!" اس کے شانے پر انگلیاں مارتے ہوئے اس نے اس کی نیند پر دستک دینے کی کوشش کی۔

"سبحان!"

"ہممم۔" اس نے سیدھے ہو کر آنکھیں کھولیں۔

"لیٹ جاؤ۔" اس نے چادر پر پڑی شال اٹھا کر چادر درست کی۔ سبحان نے اس کے ہاتھ سے شال لے کر گول مول سا تکیہ بنایا، اس پر سر رکھ کر لیٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کاغذی تھیلی میں ایک اور چادر تھی۔ اس نے کھول کر اس کے اوپر پھیلا دی۔

"اس سچوئشن میں رومانس کیسے سوجھ سکتا ہے؟ یہ فلموں ڈراموں والے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کچھ

بھی ہو مگر آئی سی یو اور ہاسپٹل میں کیسے ہیروئین کا دل دھڑکے گا اور پلکیں لرزیں گی؟" پہلی بار اپنے پسندیدہ سیریل پر تنقیدی خیال کے ساتھ اسے یہ خیال نہیں آیا کہ ان حالات میں اس کا یہ خیال بھی کس قدر 'عجیب' ہے۔

"یہ ہیرو سو رہا ہے اور ہیروئن بھی بے چارے کو رات بھر ڈرا رہی ہے کہ اب گری کہ جب! رومانس نہیں ہوسکتا ہاسپٹل میں ہاں اس صورت حال میں بھی نیند ضرور آسکتی ہے۔" یہ سنہرا اصول تجربے کے بعد ثابت ہو چکا تھا۔

وارڈ میں منتقل ہو جانے کے بعد عبدالسمیع مزید دو دن اسپتال میں رہے۔ ثانیہ میکے میں ہی تھی۔ سب باری باری آتے جاتے رہے تھے۔ اس دوران اس پر نئے انکشافات ہوئے۔ سرجری کے اگلے دن غفران احمد نے جاتے ہوئے اسے کارڈ تھمایا تو وہ فوراً اسے لوٹانا چاہ رہی تھی۔

"تم میری بھی بیٹی ہو اور اب یہ تمہارا کام ہے۔ تم اس قابل ہو کہ دونوں گھروں کی ذمہ داری پوری کرو، پن واٹس ایپ کر دیا ہے۔" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

احسان تلے دبانے، رعب جمانے اور دنیا کی واہ واہ سمیٹنے کا موقع چھوڑ کر انہوں نے چپ چاپ سارے اختیارات بیٹی اور بہو کو دے دیے تھے۔ خلوص اور مدد کی یہ ہی خاموش شکل تو خوب صورت ترین ہے۔ اندر والی ثانی جو کارڈ دیکھ کر ہی اسے لوٹانے بڑے جوش میں کھڑی ہوئی تھی، اب ہونق سی تھی۔

سب سے واضح فرق اس نے سحبان اور باقی دو دامادوں کے رویوں میں نوٹ کیا۔ وہ اس کے والدین کے ساتھ ساتھ اس کی بہنوں کو بھی عزت احترام دیتا تھا۔ احترام جو الفاظ و القاب کا محتاج نہ تھا بلکہ اس کے ہر عمل سے جھلکتا تھا۔ امی اور بہنوں کے ہاتھ سے سامان لے لینا، انہیں دیکھ کر کھڑے ہونا، بیٹھنے کی جگہ دینا، جگہ بنانا، ابو کے سامنے سعادت مندی سے سر جھکائے بات سننا، نرمی اور تکریم سے بات کرنا۔ یہ عام سے بنیادی اخلاق تھے کوئی خاص برتاؤ یا اہتمام نہ تھا لیکن اس نے اعجاز، رمیز اور خود کو دامادنما ان اچھے جواد کے وہ سرد رویے، اکڑے لہجے اور اپنے ہر عمل سے ساس سسر کے مقابل خود کو برتر، قابلِ تکریم گردانتے دیکھا تھا کہ اسے سحبان کا رویہ بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اعجاز تو شادی کے بعد سے صرف دو بار ان کے گھر آیا تھا پھر کوئی خوشی ہو یا غمی، اس نے کبھی ایک فون کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اپنی محبوبہ بیوی کے محبان کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔

اسے غفران احمد کا کارڈ استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ سحبان پہلے ہی ادائی کر چکا تھا۔

"بیٹا! سحبان یا غفران بھائی کی بینک ڈیٹیل شیبا کے فون پر بھیج دینا وہ ساری رقم ٹرانسفر کر دے گی۔" گھر آنے کے بعد سفینہ نے اس سے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں امی، کیا میں اتنا نہیں کر سکتی؟"

"نہیں بیٹا......" امی تو سن کر ہی گڑبڑا گئیں۔ "بیٹیوں سے نہیں لیتے۔"

"کیوں نہیں لیتے؟"

"ارے..... کیوں بحث کر رہی ہے؟ دنیا کا دستور ہے غیرت مند باپ داماد سے کچھ نہیں لیتے۔" دادی کو طیش آگیا۔

"واہ! اور یہی غیرت مند باپ بیٹی بیاہ دینے کے بعد بھی دامادوں، ان کی بیویوں، ماؤں اور ان کے بچوں کو دیتے رہتے ہیں۔ بیٹی کی ڈلیوری، نومولود کو دنیا کا سامان، ہر عید بقر عید شادی بیاہ یہ سب کو تحائف، اس کے بعد ناپسند آنے کے نخرے الگ، یہ کسی کے لیے غیرت کا طعنہ نہیں؟"

"ارے وہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔"

"غلط طریقوں کو حق، فرض اور خوشی جیسے الفاظ میں لپیٹ کر نارملائز کر رکھا ہے، رسمیں بنادی ہیں۔ جن کے پاس ہوتا ہے وہ واقعی خوشی سے دیتے ہوں گے لیکن جن کے پاس محدود آمدنی ہو وہ تو اس چکر میں نیندیں، صحت اور سکون گنوا بیٹھتے ہیں۔" اسے

ایسے ہر موقعے پر اپنے ماں باپ کے فکر مند چہرے، سارا جوڑ توڑ اور حساب کتاب یاد تھا۔

"بیٹیوں سے نہیں لیتے بس، بحث نہ کرو۔"

"دادی، یہ حتمی رویہ دوسری صورت میں ہونا چاہیے اور جن کے بیٹے نہیں وہ والدین کیا کریں؟ ایسی صورت میں کیا والدین بیٹیوں کی ذمہ داری نہیں؟ ایسی بیٹیوں کے سسرال اور داماد کو دنیا یہ کیوں باور نہیں کراتی کہ ماں باپ بھی کی ذمہ داری ہیں؟ یہ اس کا دنیاوی دینوی دونوں فرض ہے اور سسرال والوں کو بھی اس کا حساس ہونا چاہیے۔ جو بیٹیاں اس قابل ہیں اور سسرال والے بھی ساتھ دیں ان کے لیے دنیا کی یہ فضول غیرت والی سوچ والدین پر خواہ مخواہ دباؤ ڈالتی ہے، ان کے لیے جائز بات قبول کرنا مشکل بنا دیتی ہے اور آسانی کے بجائے دنیا کے سوال اور طعنوں کا ڈر انہیں پریشانی اور تنگی میں رکھتا ہے، یہ دینی لحاظ سے درست ہے نہ معاشرتی و اخلاقی طور پر......"

"بس کرو۔" اس کی تقریر جلد ختم ہونے والی نہ تھی لیکن سفینہ نے سختی سے اسے ٹوکا۔

"دیکھ لو کیسے سر چڑھایا ہے اسے تم نے۔" دادی نے بہو کو گھورا۔

"امی، یہ میرا فرض ہے، میں اور میرا سسرال اس قابل ہیں کہ میں اپنا فرض نبھا سکتی ہوں تو یہ نیکی مجھ سے نہ چھینیں۔"

"بیٹا لوگ"

"امی! لوگوں کی غلط باتوں اور غلط روش کی وجہ سے میں غلط نہیں کروں گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ گئی لیکن دادی کی بڑبڑاہٹ کئی گھنٹے چلتی رہی تھی۔

اب بھی ہال میں امی ابو اور دادی کے ساتھ اسے لینے آئے سجان کو بیٹھا دیکھ کر وہ اپنے خیالوں میں گم تھی۔ اس نے ایسا خوش گوار اور آسودہ ماحول اعجاز اور رمیز کی موجودگی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ شوہر کے دل کا راستہ معدے سے گزر کر جاتا ہے یہ سب جانتے اور مانتے ہیں اور بیوی کے دل کا راستہ؟ اس پر کوئی بحث اور بات کیوں نہیں ہوتی؟ آج ثانیہ نے اپنی تحقیق اور تجربے سے وہ راستہ کھوج لیا تھا۔

بیوی کے دل کا راستہ اس کے میکے والوں، خاص طور پر اس کے والدین سے رواں رکھے حسن سلوک سے ہو کر جاتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا تھا۔

آفت کے نازک لمحات اور قربت نے جو اثر نہیں کیا تھا وہ سجان کی موجودگی میں والدین کے بشاش چہروں نے کر دکھایا۔ اس کی وجاہت اور دولت جو نہ کر سکی وہ والدین کے چہروں کی طمانیت نے کر دکھایا یعنی ثانیہ بی بی اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ پہلی بار اندر والی ثانی بھی متاثر تھی۔

آج اسے سجان کے ساتھ واپس جانا تھا۔

یسریٰ روز آتی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے میں ہی وہ کبھی سوپ بناتی تو کبھی دوسرا صحت مند کھانا۔ ابو کے پیر دباتی، کبھی کبھی رات کے لیے سالن بنا دیتی یا آٹا گوندھ کر رکھ دیتی۔ گھر پہنچ کر اسے پھر بھی سب کرنا ہوتا تھا۔ امی لاکھ روکتیں کہ کچھ دیر آرام کر لو، بیٹھ کر باتیں ہی کر لو لیکن وہ "بس یہ کر لوں، اتنا کر لوں" کہتی لگی رہتی۔ بشریٰ بھی بچوں کے ساتھ وہیں تھی۔ آج اس کی بھی واپسی تھی۔ وہ اندر آئی تو شیبا گم صم بیٹھی تھی۔ اسے لگا تھک گئی ہے۔

تم آرام کرو، بہت پریڈ ہو گئی تمہاری بھی۔" اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔"

"بشریٰ آپا بھی رات میں چلی جائیں گی، اب اتنا کام نہیں ہوگا۔" شیبا اسی حالت میں سامنے دیوار کو تک رہی تھی۔

"ثانی!" اس نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

اس کے غیر معمولی انداز پر وہ تھم گئی۔

"یسریٰ آپا کو دیکھ کر مجھے کبھی ان پر ترس آتا ہے تو کبھی دکھ ہوتا ہے، میں نے خود سے کئی وعدہ کیے ہیں کہ نہ محبت کروں گی نہ محبت والی شادی، سسرال والوں کو خود کا استحصال نہیں کرنے دوں گی، شادی سے قبل شرط رکھوں گی کہ میں نوکری کروں گی یا گھر سنبھالوں گی، بشریٰ آپا پر بس غصہ آتا ہے، کوفت

ہوتی ہے اور میں نے خود سے وعدہ کیا ہے، اپنے شوہر اور سسرالیوں کو اپنے میکے سے ایک چیز لے کر نہیں دوں گی، نہ امی ابا سے فرمائشیں کروں گی، اور تم۔" وہ ذرا ٹھہر کر پھر کہنے لگی۔

"اتنی فلمی شادی کے بعد ایسا گھر اور سسرال ملا ہے، تم نے سب اپنی مرضی اور شرطوں پر کیا نہ جہیز نہ دوسری رسومات اور فارمیلیٹیز، اس کے باوجود تمہیں وہاں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے، شخصی، معاشی سب۔ میں خود سے کیا وعدہ کروں سمجھ میں ہی نہیں آرہا، امیر سسرال کا یا میں کسی کو پسند آجاؤں یہ؟" اس نے دیوار سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ابھی ہال میں ابوامی کے ساتھ تمہیں اور سبحان بھائی کو دیکھ کر مجھے احساس ہوا خود سے کیے کسی بھی وعدے کی کوئی اہمیت نہیں، سب فضول ہے کہ یہ قسمت کی بات ہے اور مجھے پہلی بار ڈر لگا۔" وہ رک گئی۔

"کیسا ڈر؟"

"میں تم سے حسد نہ کرنے لگوں۔" وہ بس رونے کو تھی۔

"پاگل۔" ثانیہ کو ہنسی آگئی۔ "یہ بھی حقیقت ہے کہ زیادہ بہنیں ہوں تو دکھ، اندیشے اور خود سے لڑنے کے بہانے بھی انواع قسم کے ہوتے ہیں۔"

"پہلی بار میرے اندر یہ جذبہ جاگا ہے اور اس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ کتنی بری ہوں میں، اپنی بہن کے لیے ایسا سوچ رہی ہوں۔" اس کے آنسو ٹپکنے لگے۔

"شیبو!" اس کے قریب بیٹھ کر ثانیہ کو گلے لگایا۔ "ہم سب میں منفی جذبات ہوتے ہیں، ان سے لڑنا اور خود پر حاوی نہ ہونے دینا ہی تو زندگی بھر کی جدوجہد ہے۔" وہ بڑی دیر تک اسے سمجھاتی رہی۔

"تم اس خیال سے ہی اس قدر پریشان ہو اور یہ تمہارے اچھے ہونے کی علامت ہے۔"

وہ گھر واپس آگئی۔ دادی اور امی کو تو جواب دے دیا تھا لیکن ابھی سب سے بڑا مرحلہ ابو کو قائل کرنا باقی تھا۔ اتنے دن کالج اور پڑھائی کا ناغہ ہوا تھا۔ وہ پوری دلجمعی سے پڑھائی میں لگ گئی۔ سبحان کے گھر آنے کا وقت بھی بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ بالکنی میں کھڑی پچھلے پندرہ منٹ سے عبدالسمیع سے بات کر رہی تھی۔ وہی اسپتال بل کی ادائی۔ وہ جانتی تھی یہ خرچ شادی کے لیے رکھی رقم سے ہوگا کیوں کہ اس کے علاوہ اور کوئی انتظام نہیں تھا۔

"ابو! آپ سے ہمیشہ سنا شادی کے بعد سسرال ہی اصل گھر اور ذمہ داری ہوتا ہے اور چاچا جان نے مجھے کہا میں ان کی بھی بیٹی ہوں اور اب اپنی ذمہ داری نبھاؤں، تو بتائیں کیا غلط ہے اس میں؟" کیا ستم ظریفی تھی کہ ابو اس کا فرض اور ذمہ داری قبول کر لیں اس کے لیے اسے خود کو دوسرے گھر کی بیٹی ثابت کرنا پڑ رہا تھا۔

کافی لمبی بحث کے بعد عبدالسمیع نے بھی ہار مان لی۔

"جیتی رہو بیٹا۔" ان کی تھکی لیکن پرشفقت آواز پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو سبحان آچکا تھا۔

"چاچا جان نے کارڈ مجھے دیا تھا پھر تم نے کہاں سے پے منٹ کی؟" لگے ہاتھوں اس نے پوچھ ہی لیا۔

"آں......" اسے فوراً سوال سمجھ میں نہیں آیا۔

"اچھا وہ......اپنے اکاونٹ سے۔"

"واہ! کچھ کرتے دھرتے تو ہو نہیں اور اپنے اکاونٹ سے......" بولنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔

"میرا اکاونٹ جس میں میری کمائی ہے۔" وہ اس کے سامنے آکر رکا۔

"چوری چکاری بھی کرتے ہو؟"

"ہاں اور پھر وہ پیسے بینک میں رکھتا ہوں۔"

"تجی بتاؤ تمہاری کمائی۔ کیسے؟" وہ مشکوک ہی تھی۔

"اسکول، کالج سے لے کر اب تک ہر مقابلے اور ٹورنامنٹ کی جیتی رقم، میری کمائی۔"

"اتنی تو نہ ہوگی وہ!" اسے تو یہی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ کھلاڑی ہے۔

"پہلی بار خرچ کی ہے۔" وہ پلٹ گیا۔
"میں ثوبان بھائی سے پیسے لیتا ہوں اور ان کا ہی کارڈ یوز کرتا ہوں، اسپتال کی سوائپ مشین کام نہیں کر رہی تھی اس لیے بینک ایپ سے ٹرانسفر کرنا پڑے۔"
سحبان اس کے کچھ کہنے کا منتظر تھا لیکن وہ جانے کس نئے خیال کے تحت چپ کھڑی رہی۔ وہ کپڑے لیے غسل خانے میں چلا گیا۔

☆☆☆

کلاسز کم ہو گئی تھیں، کسی دن ایک بھی لیکچر نہیں ہوتا۔ اس لیے اب وہ اکثر دیر رات تک بالکنی میں پڑھتی رہتی۔
"میرا ہو گیا یہ ٹاپک پڑھ کے الحمدللہ۔" وہ اندر آیا تو ثانیہ بالکنی میں خوشنما سے بات کر رہی تھی۔
"ہاں۔ افففف۔ دیکھا تھا نا!!!!۔" اس کے لہجے پر وہ رک گیا۔
"یارررر۔ سچ میں کیا رومانٹک سین تھا۔ ہی ہی ہی ہی۔" وہ جانے کس منظر کی بات کر رہی تھی لیکن سحبان کو ہاسپٹل والا منظر یاد آ گیا۔
"ہاں وہ بھی۔ ہاسپٹل والا بھی اچھا تھا بٹ یہ ہائے!" اس نے وہی ذکر کیا۔
"نہ، ہمارے ایسے نصیب کہاں یار، کہ یوں رومانس کریں!"
"بکواس نہ کرو۔ کچھ بھی۔ مجھے یہاں تک آنٹی کی آواز آ رہی ہے، جاؤ سنو کیا کہہ رہی ہیں۔ ہاہاہاہا۔ نہیں تو۔ اللہ حافظ۔"
اس نے فون بند کیا، پردہ ہٹا کر اندر آئی اور سلائڈنگ بند کر کے پلٹی۔ سامنے ہی سحبان کھڑا تھا، اس کا راستہ روکے۔
"تم کب آئے؟"
جب تم اپنے نصیب کی شکایت کر رہی تھیں۔"
وہ ایک قدم آگے آیا۔"
"آں؟" وہ 'آف گارڈ' پکڑی گئی تھی۔ وہ پھر ایک قدم آگے آیا، ثانیہ پیچھے ہوئی۔ سحبان کی نظریں اس کے چہرے پر یہاں وہاں پھسل رہی تھیں۔

پہلے چیک تو کر لیتیں؟" وہ مزید آگے بڑھا اور ثانیہ سلائڈنگ سے جا لگی۔"
گگ۔ کیا؟"
سحبان نے اس کے سر کے قریب پردے پر ہاتھ رکھا۔"
"نصیب!" اس کی آواز دھیمی لیکن معنی خیز تھی۔
ثانیہ کو یاد آیا، وہ بھی اس کے ساتھ وہ قسط دیکھ چکا ہے، کم از کم وہ منظر! اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اس نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے، ڈانٹتے ہوئے اس قید سے نکلنا چاہا مگر پہلی بار اس کے ارادے کا دماغ اور عضلات پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا، وہ جیسے مفلوج تھے۔ ساری توانائی دل میں منتقل ہو گئی تھی جو بس باہر گر پڑنے کو بے تاب تھا۔ اس نے بولنا چاہا لیکن بس لب وا ہو سکے۔
سحبان نے دوسرا ہاتھ بھی سلائڈنگ پر اس کے شانے کے قریب رکھا۔ وہ قریب ہوا اور ثانیہ نے آنکھیں میچ لیں۔ اگلے پل اس نے اپنے ماتھے پر اس کے لب محسوس کیے۔ اس نرم گرم لمس کا وقفہ مختصر تھا مگر۔ آنکھیں کھولنے میں اسے وقت لگا۔ سحبان کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا۔
"تمہارے نصیب اتنے برے تو نہیں جتنی تم شکایت کر رہی تھیں!"
وہ تبسم واقعی اتنا دلکش تھا یا یہ اس کی نزدیک کی نظر کا عیب تھا؟ اس افراتفری میں بھی اندر والی ثانی سحبان کو کوئی کریڈیٹ دینے تیار نہ تھی۔
دونوں ہاتھوں سے دور دھکیل کر اتنا سنائے کہ اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگے، اس کے اندر کہیں دور سے کوئی اسے ایسا کرنے پر اکسا رہا تھا لیکن فی الوقت جو قریب تر تھا وہ اسے گونگا اور مفلوج کر چکا تھا۔
"چاچی۔!" حاذق کی آواز آئی۔ وہ دور سے اسے پکارتا آ رہا تھا۔ دروازے پر آ کر اس نے دستک دی اور ثانیہ میں جیسے جان پڑ گئی۔ وہ اس کے بازو کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف بھاگی۔

digestlibrary.com

"آئی حاذق۔" حاذق اندر آنا چاہ رہا تھا لیکن وہ اس کا جسمانی اور لفظی احتجاج نظرانداز کرتی اسے کھینچتے ہوئے ہال میں لے آئی۔

سحبان بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کھڑکی کے پاس سے ہٹا اور چھت کی طرف رخ کیے پلنگ پر گر گیا۔

"رومانٹک۔ ہاہاہاہا!"

"چاچی! بالکنی میں جانا ہے مجھے۔" ناراض سے حاذق نے ہال میں صوفے پر گری ثانیہ سے کہا۔

"وہاں کیا کرو گے اور ابھی تک سوئے کیوں نہیں؟"

"کل سنڈے ہے اور مما نے زبردستی سلا دیا تھا دن میں اس لیے اب نیند نہیں آ رہی۔" اس نے یہ بات دادی کو اپنی ماں سے کہتے سنا تھا کہ ابھی مت سلاؤ ورنہ رات کو اسے نیند نہیں آئے گی۔

"چلو لوڈو کھیلتے ہیں۔"

اس نے عجیب نظروں سے چاچی کو دیکھا۔

"آپ کو ایگزامز کے لیے لرن نہیں کرنا؟"

"ہاں۔ آں۔ کرنا ہے لیکن فی الحال میں بریک پر ہوں۔"

"تو مجھے ہاٹ چاکلیٹ بنا دیں۔"

"او کے، چلو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔

باورچی خانے میں ماہین کھانا کھا رہی تھی۔

"ارے۔ تم نے کھانا نہیں کھایا تھا؟"

"مجھے بھنڈی اور پائے دونوں نہیں پسند۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اس کے آگے روٹی اور آملیٹ رکھا تھا۔

"تو اس وقت بھی یہ ہی بنا لیتیں ناں، سب کے ساتھ کھانا ہو جاتا، اب اتنی دیر سے کھا رہی ہو۔"

ماہین نے کچھ نہیں کہا بس مسکرا دی۔

"ہم ہاٹ چاکلیٹ بنا رہے ہیں، تم بھی لو گی؟" اس نے فریج سے دودھ کا برتن نکالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

حاذق کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ وہ مگ میں چمچہ ہلا رہی تھی اور ماہین سنک میں خالی پلیٹیں دھو رہی تھی، تب نضرہ اندر آئی۔

"لو، یہ یہاں ہے اور سارا گھر ڈھونڈ لیا میں نے۔ سونے کے وقت یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"آپ نے دوپہر میں کیوں سلایا تھا؟ اب نیند نہیں آ رہی بچے کو۔"

"اوہو! نخرے ہیں سب۔ چلو جیسے دوپہر میں سلایا تھا اب بھی سلا دیتی ہوں۔" نضرہ نے اسے کچن سلیب سے نیچے اتارا۔ سحبان اس وقت گھر میں موجود ہے تو تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" نضرہ کمرے سے ہو کر آئی تھی۔

"اسے چھوڑو اور جاؤ۔"

"اللہ بھابھی! سحبان کی موجودگی میں تو آپ مجھے کمرے میں قید دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"جانتی ہو تو پھر کیوں ادھر ادھر نظر آتی ہو؟"

"یہ مجھ پر ظلم نہیں؟" اس نے مصنوعی مظلومیت طاری کر کے دہائی دی۔

"ہائے! سحبان کا ساتھ اور ظلم؟ یہ سن کر خاندان کی کم از کم آدھا درجن لڑکیاں تو تمہیں واجب القتل قرار دے دیں گی۔"

اسے ہنسی آ گئی۔

"اور ایسا بندہ پہلی ملاقات میں تم پر دل ہار بیٹھا تھا، قدر کرو اس کی لڑکی۔"

"او کے مادام!" اس نے کمر سے خود کو آگے جھکا کر کہا۔

"جاؤ جاؤ اور تم چلو۔" نضرہ نے ایک ہاتھ میں مگ اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے حاذق کا ہاتھ پکڑ کر چلی گئی۔

"تم بھی سو جاؤ اب۔" اس نے اپنا مگ اٹھایا اور ماہین سے کہا۔

"جی۔" اس نے دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے کہا۔

کمرے تک پہنچ کر ثانیہ کا دل کیا دروازے

کے باہر ہی بیٹھ جائے لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ اندر جاتے ہوئے پھر دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا۔ وہ اپنی میز کے سامنے کانوں پر ہیڈفون چڑھائے بیٹھا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتی کھڑکی سے بالکنی میں آئی اور آواز کیے بنا سلائڈنگ پوری بند کردی۔ اسکرین پر سبحان کو پیچھے کا عکس نظر آرہا تھا۔

"احتیاطی تدابیر!" وہ مسکرادیا۔

بالکنی میں گڈمڈ ہوتے الفاظ پر نظر جمانے کی کوشش کرتے ہوئے ثانیہ کو پہلی بار ان لڑکیوں کی باتوں کی صداقت کا یقین آیا جو خراب نتائج کی وجہ اپنی شادی شدہ زندگی کو قرار دیتی تھیں۔

میری توبہ جو آئندہ اس کی موجودگی میں 'اِکے' دیکھا! اس نے عہد کیا۔

اور یہ میں نے کچھ کہا کیوں نہیں اس سے؟ بھاگی کیوں میں وہاں سے؟ اندر والی ثانی جیسے ہوش میں آئی۔

بے وقوف کہیں کی! یہ سب تو شامل نہیں تھا۔ یہ چیٹنگ ہے، میں نے برداشت کیوں کرلیا؟ مجھے اسی وقت عقل ٹھکانے لگا دینی چاہیے تھی، کیا ہوگیا تھا مجھے؟ ہر دس منٹ بعد وہ نئے سرے سے کڑھنے لگتی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس نے روز کی طرح فون اس کے کان کے قریب لے جا کر جگانے کا رسک نہیں لیا۔ اسے ایسے کئی مناظر یاد آگئے تھے جہاں جگانے کی کوشش کرتی ہیروئن کے ساتھ ہیرو نیند میں اور نیند کا ناٹک کرتے ہوئے 'عجیب و غریب' حرکتیں کرتا ہے۔ دماغ نے حفظ ماتقدم کے طور پر کل تک رومانی مانے جانے والے منظر کو آج 'عجیب و غریب' مان لیا تھا۔

سات بجے اس نے چائے بنائی اور حسب معمول دو کپ لیے ڈرائنگ روم میں آئی جہاں غفران احمد اخبار پڑھ رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" اس نے کپ میز پر رکھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔"

"بیٹھو۔" انہوں نے کہا اور وہ ان کے قریب صوفے پر ٹک گئی۔

"تمہاری صبح جاگنے کے بعد نہ سونے والی عادت بڑی اچھی ہے۔" ان دونوں کے علاوہ سب ہی نماز پڑھ کر پھر سو جاتے تھے۔

"گھر میں بھی ابو اور میں ہی نہیں سوتے تھے اور حبا اسکول کی وجہ سے نہیں سو پاتی تھی۔"

"اس نالائق کو بھی اٹھایا کرو۔"

"نماز پڑھنے اٹھتے ہیں اب۔" اسے غفران احمد کے مقابل بڑی احتیاط سے بات کرنا پڑتی تھی کہ مجازی خدا کا ذکر احترام سے ہو۔

"اچھا۔" وہ خوش ہوگئے۔

"مجھے یقین ہے کچھ دنوں میں تم اسے کام پر بھی بھیج دو گی۔" بگڑی اولاد کے سدھرنے کی ساری توقعات انہیں بہو سے تھیں۔

"جی۔" اس نے بلند آواز میں جی کہا لیکن اندر والی ثانی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "ناممکن!"

اسی وقت نیند سے جاگی ماہین اندر آئی۔

ان دونوں کو دیکھ کر اس نے سنبھل کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ ثانی کے آنے سے تمہیں میری چائے بنانے کی ڈیوٹی سے چھٹی مل گئی۔"

"ایسا نہیں ہے تایا جان، انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ میں اس وقت جاگتی ہوں، تم نہ اٹھا کرو۔" وہ ہڑبڑا کر صفائی دینے لگی۔

"ارے چاچا جان مذاق کر رہے ہیں ماہین۔" اس نے فوراً اسے تسلی دی۔ غفران احمد بھی ہنس دیے۔

ماہین باورچی خانے کی سمت دوڑ گئی۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر کمرے میں آ گئی۔ دروازہ کھولتے ہوئے اسے افسوس ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ اس کی نماز قضا کی۔ دبے قدموں چلتے ہوئے اس نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور بالکنی میں چلی گئی۔

کچھ گھنٹے پڑھنے کے بعد وہ پھر باورچی خانے میں چلی آئی۔ باورچی خانے میں مدد اور خوب باتیں کرنے کے بعد گیارہ بجے کمرے میں واپس آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔

"فجر کے لیے کیوں نہیں جگایا؟" اس نے سوال داغا۔

"یاد نہیں رہا۔"

وہ شرٹ پہن کر بٹن بند کرتے ہوئے اس کے سامنے آکر رک گیا۔

"یا جان بوجھ کر نہیں اٹھایا؟"

"جان بوجھ کر کیوں کروں گی؟" اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ گھیر رہا ہے۔

"تم ہی بتاؤ۔"

"بتا تو دیا یاد نہیں رہا۔"

"تمہاری یادداشت ایسی تو نہیں، خوب رٹنے لگاتی ہو، ٹاپر ہو اور اپنے سیریل کا ایک ایپی سوڈ مس نہیں کرتیں۔" آخری بات ہی اس کا اصل مدعا تھی۔

"ویسے تم اتنے بڑے ہوگئے ہو اب کہ خود ہی نماز کے وقت اٹھ جایا کرو۔"

"گہری اور پکی نیند کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا۔"

"ہمم۔ نماز کے لیے اٹھنے کا تعلق ایمان سے ہوتا ہے۔" وہ بات گھمانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"مجھے لگا تم نے کل والی بات کی وجہ سے نہیں جگایا۔" اس نے آستین فولڈ کرتے ہوئے بات پھر وہیں پہنچادی۔

اب وہ 'کل والی کون سی بات؟ کیا ہوا تھا کل؟ میں کیوں ایسا کروں گی؟' یہ سب کہہ کر یا انجان بننے کا ڈرامہ کرکے اس کی بات کو سند نہیں بنا سکتی تھی۔

"آج بھول گئی، کل سے نہیں بھولوں گی۔" وہ اس کے بازو سے نکل کر پلنگ پر پھیلایا اس کا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔ جتنی دیر وہ کمرے میں تھا، ثانیہ کو اس کے ہونٹوں سے چپکی مسکراہٹ خوب محسوس ہوتی رہی۔

☆☆☆

"تمہارے پرچے کب سے ہیں؟" اس نے غفران احمد کے سامنے چائے کا کپ رکھا تو انہوں نے پوچھا۔ وہ آج صبح ہاؤسنگ سوسائٹی کی میٹنگ میں شریک ہونے تھے اس لیے کارخانے دیر سے جا رہے تھے۔

"اگلے مہینے کی دس سے۔"

"بہت کم دن ہیں پھر تو، پڑھائی ہوگئی؟"

"پڑھائی تو آخر تک چلتی ہے۔"

"ثانی کو امتحانوں تک سب کاموں سے فراغت دے دو۔" انہوں نے نصرہ سے کہا۔

"مجھے بھابھی اور چاچی نے کام سے فارغ ہی رکھا ہے۔" نصرہ کے جواب دینے سے پہلے اس نے کہا۔

"ماموں! آج اسے ایگزام کا ہال ٹکٹ لینے جانا ہے اس لیے یہاں نظر آرہی ہے ورنہ اسے تو کبھی کبھی کھانے کی یاد دلانے کمرے میں جانا پڑتا ہے۔"

"ابھی جانا ہے؟"

"جی۔"

"آج آٹو ٹیکسی کی ہڑتال ہے اور سانتا کروز اسٹیشن کے قریب برج ٹوٹنے سے اس روٹ کی ٹرینیں بند ہیں۔" وہ ابھی ابھی ٹی وی پر خبریں دیکھ کر آئے تھے۔

"سب آج ہی ہونا تھا۔" اسے پریشانی نے گھیرا۔

"کل چلی جانا بیٹا۔" انہوں نے کہا۔

"آج لاسٹ ڈے ہے، وہ بھی ایکسٹینشن کے بعد والا لاسٹ ڈے۔" اس نے سر جھکا کر اپنی سستی اور کوتاہی کا اعتراف کیا۔

"اچھا، پریشان نہ ہو۔" انہوں نے نصرہ کو دیکھا۔

"صاحب زادے کو اٹھاؤ۔" انہیں یقین تھا وہ اس وقت تک سو رہا ہوگا۔ "کہو ثانی کو کالج لے جانا ہے۔"

"جی۔" نصرہ فوراً ہی باورچی خانے سے نکل گئی۔

"تم نے ناشتا کیا؟"

"نہیں، بس کرتی ہوں۔" وہ سلیب کی طرف پلٹی ہی تھی کہ انہوں نے اسے بیٹھنے کو کہا اور گوشت

digestlibrary.com

صاف کررہی ماہین کو آواز دی۔
"ماہین بیٹا، ثانی کو ناشتا بنادو۔"
"جی تایا جان۔" وہ ہاتھ دھو کر فریج کے قریب آ گئی۔
"صرف چائے اور پراٹھا دینا۔" ثانیہ نے اس سے کہا جو فریج سے انڈہ نکال رہی تھی۔
"امتحان سے پہلے گھر بھی ہو آنا۔"
"جی۔ جاؤں گی ان شاء اللہ۔" اس کا ناشتا آنے تک وہ اس سے باتیں کرتے رہے۔
ان کے جاتے ہی نغرہ اندر آئی۔
"گھوڑے گدھے بیچ کر سوتا ہے سحبان، تم کیسے اٹھاتی ہو اسے؟"
"نہیں اٹھاتی۔ بس فجر کی الارم کا فون کان کے پاس لگا دیتی ہوں۔"
"ہم نے خوا مخواہ بڑی امیدیں باندھ رکھی تھی سحبان کی بیوی سے کہ وہ آتے ہی اسے سدھار دے گی۔" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ "تم تو مزید بگاڑ رہی ہو۔"
"بس میرے امتحان ختم ہونے دیں، پھر دیکھیں کیسے سیدھا کرتی ہوں۔" اس کی ساکھ کا سوال تھا اس لیے شیخی بگھارنا ضروری تھا۔
"دیکھتے ہیں۔" وہ ذرا جو متاثر ہوئی ہو۔
"آپ نے کہا تاں مجھے کالج جانا ہے؟"
"ماموں کا حکم ہے، یہ سن کر ہی تو آنکھیں کھلی ہیں۔"
اس نے بڑے صبر سے اس کے تیار ہونے اور ناشتے سے فارغ ہونے کا انتظار کیا۔
"ابا سے کہنے کی کیا ضرورت تھی، خود فرمائش کر دیتیں۔" لفٹ میں 'جی' کا بٹن دباتے ہوئے اس نے دائیں طرف آئینے میں اسے دیکھا۔
"تم اپنی دنیا سے نکلو تو دنیا میں کیا ہو رہا ہے پتا چلے۔" اس نے آئینے میں اسکارف ایڈجسٹ کرتے ہوئے طنز کیا۔ "ٹرین بند اور آٹو ٹیکسی کی ہڑتال کے ساتھ ہال ٹکٹ کلکٹ کرنے کا آخری دن ہے آج۔"
"سترہویں منزل پر رہنے کے نقصان۔"
لفٹ سے باہر نکل کر سحبان پارکنگ کی طرف چلا گیا اور وہ گیٹ پر آ کر رک گئی۔ ذرا دیر بعد بائیک اس کے قریب رکی۔
سحبان نے ہیلمٹ اس کی طرف بڑھایا۔
"یہ بھی پہنوں؟"
"دماغ ہی نہیں رہے گا تو اتنی دور ہال ٹکٹ لینے جانے کا فائدہ؟"
"شبھ شبھ بولو، لائسنس تو ہے نا تمہارا؟ دعا یاد ہے سوار ہونے کی؟ رکو، صدقہ دے دو پہلے۔" اس کا واقعی دل ہول گیا تھا۔ سحبان کو ہنسی آ گئی۔ وہ دائیں بائیں گردن گھما کر کسی ضرورت مند تلاش کر رہی تھی جسے صدقہ دیا جا سکے۔
"تمہیں گھر واپس سلامت پہنچانے کی ذمہ داری میری ہے۔"
"اور مجھے تمہاری زبان پر رتی برابر بھروسا نہیں۔"
ابا کی حکم عدولی اتنا لائق نہیں، یہ بھروسا تو ہے ناں؟"
"ہاں۔" اس نے پورے یقین سے ہاں کی۔
"نقاب سنبھالنا۔" سحبان نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔
"تم دعا پڑھ لو یا میں پڑھاؤں؟"
"ابا نے مار پیٹ کر مدرسے بھیجا تھا بچپن میں اور مولوی صاحب ابا سے زیادہ ظالم تھے۔"
"شکر ہے۔" اس نے اللہ کا شکر ادا کر کے مولوی صاحب کو غائبانہ داد دی۔
ابھی ذرا سا فاصلہ طے ہوا تھا کہ اسے لگا بس گر ہی جائے گی۔ اس کا ہاتھ خود بخود سحبان کے شانے پر ٹھہر گیا تھا۔ جلد ہی اندازہ ہو گیا یہ سہارا کافی نہیں۔ اسے اکثر بائیک کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی لڑکیوں کے 'طریقے' پر اعتراض ہوتا تھا، غصہ آتا تھا اور اب ہوا کے دوش پر اڑ رہی بائیک پر زندہ سلامت رہنے کا وہی طریقہ اسے درست لگ رہا تھا۔

"یہ منحوس بائیک ہے ہی ایسی۔" اس نے قابل اعتراض طریقہ کار کے لیے خود کو دلیل دی لیکن پھر بھی وہ اس کی پشت کے قریب نہ ہو سکی۔ تب ہی اسپیڈ بریکر کے جھٹکے پر اس نے بے اختیار دونوں طرف سے سحبان کی شرٹ پکڑ لی۔ ہیلمٹ کی وجہ سے ایک دوسرے کو سننا مشکل تھا۔ سحبان نے اس کے دائیں ہاتھ سے شرٹ چھڑائی اور ہاتھ کھینچ کر آگے تک لایا۔ یہی دوسرے ہاتھ کے ساتھ کیا اور ہتھیلی، دائیں ہتھیلی پر رکھ دی۔ ہر اسپیڈ بریکر اور گڑھے پر جلد ہی سحبان کا بنایا یہ حلقہ تنگ ہوتا گیا اور فیس شیلڈ کے پیچھے سحبان کے لبوں پر تبسم بھی مستقل ہوتا گیا۔ وہ مسلسل، ساری اور جتنی یاد تھیں، ان سب دعاؤں کا ورد کر رہی تھی۔

کالج کے گیٹ پر بائیک سے اتر کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"ایک تو یہ واہیات بائیک اور دوسری تمہاری اسپیڈ۔ کمزور دل والا تو مر ہی جائے۔"

"یعنی تمہیں پیچھے بٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چہ!" اس کے جواب پر ثانیہ نے اسے گھورا۔

"کبھی چاچا جان کو بٹھایا اس گینڈے پر؟"

"کنفرمڈ بدذوق ہو تم! بیوٹی ہے یہ اور نہ میں نے ابا کو بٹھانے کی غلطی کبھی نہیں کی اور نہ انہوں نے بیٹھنے کی۔"

"اسی لیے یہ عفریت ابھی تک تمہارے پاس موجود ہے۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"میں بس دس پندرہ منٹ میں آئی۔"

"سوچ لو، تمہاری سہیلی مل گئی تو تم بھول جاؤ گی کہ باہر میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"خوشنما نام ہے اس کا، یاد کر لو اور وہ نہیں آئی ہے آج۔" خوشنما کارڈ لے چکی تھی۔

وہ واقعی پندرہ منٹ بعد واپس آ گئی۔

"کہیں اور جانا ہے؟"

"نہیں تو۔" کہتے ہی اسے جیسے یاد آ گیا کہ وہ گھر سے قریب ہے۔

"اگر تمہیں کوئی ضروری کام نہ ہو تو کچھ دیر کے لیے گھر چلتے ہیں۔"

"چلو۔" وہ مان گیا۔

اس وقت ان دونوں کی آمد پر گھر میں ہلچل مچ گئی۔

"اتنی صبح صبح؟" ماؤں کے دل میں بیٹی کی بے وقت آمد کہیں نہ کہیں وسوسہ جگا ہی دیتی ہے۔

"کون سی صبح امی؟" بارہ بج جائیں گے تھوڑی دیر میں۔

"تمہارے امتحان ہیں پھر اس وقت کیوں چلی آئیں؟" ابو اس کا معمول اور عادت جانتے تھے۔

"کسی حادثے کی وجہ سے ویسٹرن لائن کی ٹرینیں بند ہیں، آٹو ٹیکسی کی ہڑتال اور آج ہال ٹکٹ لینے کا آخری دن تھا اس لیے چاچا جان نے کہا بائیک سے جاؤ۔"

"اچھا۔" وہ سحبان کو ابو کے پاس چھوڑ کر اپنے حجرے میں آ گئی۔

"عبایا تو اتارو۔" شیبا نے کہا۔

"نہیں بس جاؤں گی اب، بہت پڑھنا ہے۔ قریب تھی اور بائیک تھی تو یونہی ملنے آ گئی۔"

"پڑھائی کے فراق میں سسرال میں بے عزت مت کروا دینا ہمیں۔" امی نے اندر آتے ہوئے تنبیہ کی۔ پھر شیبا سے مخاطب ہوئیں۔

"تم اس کے پاس نہ بیٹھو چائے کافی کچھ بناؤ کھانا کھا کر جائیں گے یہ دونوں۔"

"نہیں امی۔ گھر سے کھا پی کر نکلے تھے، کچھ مت کرو شیبا۔" اس نے باہر جاتی شیبا کو روکا۔

"ایسے کیسے کچھ نہ کرو۔" سفینہ نے کہا۔ شیبا باہر نکل چکی تھی۔

"جس کام سے آئی تھیں وہ ہو گیا؟"

"جی۔ ویسے کیا بنایا ہے آپ نے؟" ماں کے ہاتھ کے کھانے کی تصور سے ہی منہ میں پانی بھر آیا تھا۔"

"آلو میتھی۔"

"ارے واہ! بھوک تو نہیں پھر بھی دو نوالے

کماؤں گی ضرور۔" وہ اٹھ کر باورچی خانے کی سمت بڑھی۔ سفینہ مسکراتی ہال میں چلی آئیں۔ جہاں عبدالسمیع کے ساتھ دادی بھی موجود تھیں۔

" کام پر نہیں گئے تم؟" دادی نے اس کی زندگی کا سب سے مشکل سوال پوچھ لیا اور اندر سیدھے کڑھائی سے نوالہ بنا کر منہ میں رکھ رہی ثانیہ کو اچھو ہو گیا۔

" ثانی کو کالج لے جانا تھا اس لیے۔" تمیز دار لہجے میں سبحان نے آہستہ سے کہا۔

" اماں! کوئی سرکاری دفتر تو نہیں ہے کہ وقت کی پابندی ضروری ہو، خود ہی مالک ہے۔" عرصے بعد سفینہ کے پاس کچھ تھا جو وہ ساس کو لاجواب کرنے کے لیے استعمال کر سکتی تھیں۔ ان کا انداز سادہ تھا پھر بھی دادی کو لگا یہ جواد کی سرکاری نوکری پر طنز ہے۔

جلدی سے دوسرا بڑا سا نوالہ منہ میں ڈال کر ثانیہ نے گلاس اٹھایا۔ اسے ایک دم ادراک ہوا تھا کہ "شوہر کا پردہ رکھنا" کیا بلا ہے۔

" دھیرے۔ سکون سے۔ سبحان بھائی تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں بھاگ رہے۔" شیبا نے کہا۔

" میرا قیمتی وقت تو بھاگ رہا ہے بہنا۔ ایگزامز کے بعد آؤں گی بہت دنوں کے لیے، ان شاء اللہ۔" اس نے پانی پی کر گلاس رکھا اور انگلی اور انگوٹھے کے درمیان شیبا کا گال پکڑ کر کہا۔

" حیا کے آنے تک تو رک جاؤ۔" شیبا نے گال سہلاتے ہوئے گزارش کی۔

" وہ ایک بجے کے بعد آتی ہے تب تک میں گھر پہنچ جاؤں گی۔" وہ ہال میں آئی۔

" چلتے ہیں اب امی ابو دادی۔" اس نے ایک ساتھ سب کو مخاطب کیا۔

" کافی تو پی لیں۔" شیبا اس کے پیچھے ترے لیے تھی۔

" کھانا کھا کر جانا بیٹا۔" ابو نے کہا۔

" نہیں ابو، ہم لیٹ ناشتا کر کے نکلے تھے۔"

وہ سب امتحان کے دنوں میں اس کی گھڑی کی سوئیوں کے مطابق حرکت سے واقف تھے اس لیے اصرار نہیں کیا۔

سبحان کے کافی ختم کرنے تک وہ دادی کے سوالوں کے جواب ہی دیتی رہی تھی۔

" ایگزامز کے بعد آؤں گی، آپ سب دعا کریں پیپرز اچھے ہوں۔" سبحان کے کپ میز پر رکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔

" ان شاء اللہ۔ اللہ ہمیشہ ہر مقام پر کامیاب کرے۔" ابو نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ امی سے معانقے کے بعد اس نے دادی کے آگے سر جھکایا اور دادی نے "سدا سہاگن رہو، دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔" دعا دی۔ ان دونوں کے علاوہ شیبا سمیت سب نے آمین کہا تھا۔

واپسی میں جھجکتے ہوئے ہی سہی اس نے خود ہی اس کی کمر کے گرد حلقہ بنا لیا تھا۔ فیس شیلڈ کے پیچھے سبحان کے لبوں پر پھیلا تبسم بڑا جاندار تھا۔

" جان سے زیادہ قیمتی کچھ نہیں۔" ہر گڑھے اور اسپیڈ بریکر پر آنکھیں میچ اور مٹھیاں بھینچ کر وہ خود کو بہلا رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے آواز کیے بغیر دروازہ کھولا۔ رات کے دو بجے بھی وہ بالکنی میں تھی۔

" یا اللہ، اس کا بس دس فی صد شوق مجھے عطا کر دیا ہوتا......" اس نے پردے کی اوٹ سے اسے دیکھا۔ " تو مجھے بھی باپ کی شفقت میسر ہوتی!" بڑی حسرت سے اس نے سوچا۔ سب سے زیادہ ڈانٹ اس نے پڑھائی کی وجہ سے کھائی تھی۔

کرسی کی پشت پر سر رکھے وہ آسمان کو دیکھتے ہوئے کچھ دہرا رہی تھی۔ ہاتھ میں ہیئر اسٹک تھی جو زبان سے ادا ہو رہے الفاظ کے ساتھ ہل رہی تھی۔ اپنے دائیں طرف سے اٹھتی سرگوشیاں نظر انداز کرتا وہ بتی جلا کر الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔

کمرے سے روشنی آئی تو وہ سیدھی ہوئی۔ تپائی سے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔

digestlibrary.com

"اوہ! دو بج گئے۔" اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ وہ جانتی تھی اتنی دیر سے آیا ہے تو سبحان شاور لینے کے بعد سونے جائے گا، کوئی آن لائن گیم یا میچ نہیں ہوگا۔

"کانسنٹریٹ ثانی!" اس نے خود سے کہا اور نوٹس اٹھائے۔ ساری کوششوں کے بعد بھی اس حادثے کے اثرات زائل ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کوئی نادیدہ چیز ہٹائی۔

بہت دیر سے تیز ہوائیں چل رہی تھیں مگر اسے آج کا ہدف مکمل کر کے ہی وہاں سے اٹھنا تھا۔ نظریں نوٹس پر تھیں اور خیالات کہیں اور اڑے جا رہے تھے۔ اس نے بالوں کو سمیٹ کر ہیئر اسٹک سے جکڑا اور انگڑائی لی۔ تبھی اچانک بارش شروع ہوگئی۔ وہ پہلے نوٹس اٹھا کر اندر بھاگی۔ نوٹس رکھ کر پلٹی تب ہی وہ بھی نہا کر باہر نکلا۔ کین کی کرسی اور میز کو بارش سے بچانا ضروری تھا۔ وہ پھر بالکنی میں آئی۔ سبحان بھی اس کے پیچھے آیا۔ اس نے میز دیوار کی طرف کھسکائی۔ سبحان نے کرسیاں اٹھا کر میز کے اوپر رکھیں۔

بارش تیز ہو چکی تھی۔ سبحان پہلے کمرے میں داخل ہوا اس کے پیچھے اندر آ کر اس نے سلائڈنگ بند کی۔ ہوا سے پانی اندر تک آ رہا تھا۔ پردہ کھینچا تو وہ اوپر کہیں الجھ گیا۔ وہ پنجے اچکا کر پردے کی رنگز الگ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اونچائی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ سبحان نے اس کے پیچھے آ کر ابھی رنگز نکالیں اور پردہ آخر تک کھینچ دیا۔ وہ ہاتھ نیچے کر کے پلٹی۔ سبحان یونہی ایستادہ تھا۔ دور جانے یا پیچھے ہٹنے کے بجائے اس نے ہاتھ نیچے کر کے سلائڈنگ پر رکھے۔

اس بھاگ دوڑ میں اوپر نیچے ہوئی سانسیں جیسے تھم گئیں۔ بارش کی بوچھاڑ ان دونوں کو بھگو چکی تھی۔ جانے یہ وقفے وقفے سے بیدار ہوتی رہی خواہش کا اثر تھا، اس پل کی بے اختیاری یا جذبات اور احساسات کی ملی جلی سازش کہ سبحان نے ہاتھ بڑھا کر ہیئر اسٹک کھینچ لی۔ اس کے بال پشت پر پھیل گئے۔ بند کمرے کی خاموشی میں فرش پر ہیئر اسٹک کے گرنے کی آواز گونجی لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے لیے اس پل ساری کائنات میں بس سبحان کی سانسوں کے کچھ تھمتے، کچھ جتاتے زیر و بم زندہ تھے۔

سبحان کے لیے دنیا ایک چہرے میں سمٹ گئی تھی اور اس چہرے کے لیے دل میں مچلتی مہکتی خواہشوں کے علاوہ دنیا میں کچھ نہ بچا تھا۔ اس وقت ان دونوں کے منصوبے جذبات کے آگے سرنگوں تھے۔ ان کے 'خرافاتی' دماغوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی نہ ارادہ تھا۔ ثانیہ نے سر اونچا کیا۔ سبحان کے چہرے پر درج تحریر خود اس کی دھڑکنوں کی ترجمانی کر رہی تھی۔

"ثانو!" دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ تھامتے کی شرارت کرتے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے اس کی سرگوشی مزید قریب سے ابھری تھی۔

"ثانو! میں۔ اگر تم۔" دھیمی آواز میں وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

اس کی بات مکمل سنے بنا ہی وہ خلاصہ جانتی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا، لمحہ لمحہ گلابی سے سرخ ہوتی رنگت اسے عیاں کر رہی ہے اور چہرہ چھپانے کے لیے فی الحال وہ ہی میسر تھا۔ اس کوشش میں پنجوں کے بل اچک کر بازو اس کی گردن میں حمائل کرتے ہوئے اس نے سبحان کو ہی نہیں خود کو بھی حیران کیا تھا۔ اس لمحے بھی اس کے اندر والی ثانی بیدار تھی جسے خود کو یاد کرانا تھا کہ وہ زیر نہیں ہوئی بلکہ زیر کیا ہے اور سبحان کے لیے یہ پیش قدمی سوال سے پہلے ہی رضا کا اظہار تھی۔ قربتوں کی تپش سے وہ سارے ارمان اور آرزوئیں جاگ گئی تھیں جن کے نہ ہونے کا انہیں دعویٰ تھا۔

سبحان کا دوسرا ہاتھ سلائڈنگ سے ہٹتے ہی ثانیہ کے بمشکل فرش پر ٹکے پیر فرش چھوڑ چکے تھے۔ بارش کی بوندوں کے ہمراہ احساسات کی شبنم سے بھیگی رات خراماں خراماں سحر کی جانب گامزن تھی۔

☆☆☆

پورا دن گزر گیا اور ثانیہ غائب تھی۔ نہ کمرے میں

نظر آئی نہ باورچی خانے میں۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ کتنی ہی دیر مذرا کے ساتھ ہال میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر بھی وہ ادھر نہیں آئی۔ وہ جانتا تھا یہ قصداً ہے۔

رات ساڑھے گیارہ بجے وہ کمرے میں آیا۔ تب ہی وہ نوٹس اور کتابیں ہاتھ میں لیے بالکنی سے کمرے میں آ رہی تھی۔ اس کا ارادہ سبحان کے آنے سے پہلے ہی اوڑھ لپیٹ کر سونے کا تھا۔ وہ جلدی آ گیا تھا ورنہ وہ اب بھی اسے شکل نہ دکھاتی۔ اس نے ہاتھ میں تھامی کتابیں ان کی جگہ پر رکھیں اور الماری کی طرف بڑھی۔ جس کا مطلب تھا وہ اپنا بستر بچھانے جا رہی ہے۔

جوتے اتار کر وہ اس کے پیچھے آیا۔

"ثانو!" اس نے مزے بنا ہی زور سے آنکھیں میچیں۔

"تمہیں افسوس ہے؟" اس نے انگریزی میں پوچھا۔

"نہ۔" خاموشی غلط فہمی یا پیچیدگیاں پیدا کر سکتی تھیں سو اس نے ذرا دیر بعد دھیرے سے کہا۔ وہ الماری کے پٹ کھولے کھڑی تھی۔

"کیا تمہیں؟" اس نے بھی اسی زبان میں پوچھا۔

"نہیں۔" وہ مزید آگے آیا۔

"صبح سے چھپ کیوں رہی ہو پھر؟" سبحان نے ہاتھ بڑھا کر الماری کے پٹ بند کر دیے۔

ثانیہ نے پلٹ کر بند دروازے سے پشت ٹکا دی۔

"نہیں تو!" اس نے سبحان کی سمت دیکھنے سے گریز کیا۔

"واہ! کیا تم شرما رہی ہو؟" اس نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اسے واقعی حیرت ہوئی تھی۔

"یہی ڈر تھا مجھے کہ تم اس طرح تنگ کرو گے۔" اس کا انداز شکایتی تھا۔

تنگ کہاں...... تمہارا شرمانا معجزہ ہے یا پھر عجوبہ اور دونوں پر حیرت تو بنتی ہے۔"

اس نے گلابی چہرہ اٹھا کر گھورا۔

"یار تم واقعی جلس کر رہی ہو۔"

"ہاں تو لڑکی ہوں۔"

"واقعی!" اس نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔

"سبحان!"

"حکم۔"

"مجھے سترھویں منزل سے چھلانگ لگانی پڑے گی۔"

"ہیں!!! کیوں؟"

"کیوں کہ اس طرح میں پاس نہیں ہو سکتی۔"

"جتنا تم نے پڑھ رکھا ہے اتنے میں میرے جیسے دس پاس ہو جائیں اور تم تو آنکھیں بند کر کے پیپر لکھو تو بھی فیل نہیں ہو گی۔"

"صرف پاس ہونا میرا مقصد نہیں، مجھے ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرنا ہے۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

"ہماری ٹرین نے جو ٹریک بدلا ہے، اس پر مجھے 'ٹاپ' والا اسٹیشن نظر نہیں آ رہا۔"

وہ فوراً کچھ کہہ نہ سکا۔ چند لمحے بعد اس نے پوچھا۔

"تم بتاؤ کیا کریں؟"

"میرے ایگزامز ختم ہونے تک ہم یوں مان لیں کل کی رات آئی ہی نہیں تھی۔ اور سب پہلے کی طرح ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اسے 'یوں مان لیں' پر بڑے تحفظات تھے لیکن جب کہا تو زبان سے 'اوکے' ادا ہوا۔

"تھینک یو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "آخری پیپر کس دن ہے تمہارا؟"

ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔ "تسلی رکھو، ٹائم ٹیبل تمہاری میز پر چسپاں کر دیتی ہوں۔"

"یعنی میں بریکٹ میں دن گنوں؟"

"تارے گننے سے تو آسان ہے۔"

☆☆☆

کچھ دیر پہلے حاذق اس کے پاس سے اٹھ کر

digestlibrary.com

گیا تھا۔ وہ دونوں فٹ بال میچ دیکھ رہے تھے۔ سبحان نے بالکنی کے بند سلائڈنگ سے ذرا سا پردہ ہٹایا۔ معمول کی طرح اس کے بال کھلے تھے اور ہیئر اسٹک اس کے ہاتھ میں تھی جسے پڑھتے ہوئے وہ کاپی پر پین کی طرح استعمال کر رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر باورچی خانے میں چلا آیا۔ حاذق کے لیے دودھ گرم کر رہی نضرہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کل شاید سورج کسی اور سمت سے نکلے گا یا شاید نکلے ہی نہ۔"

"اب بندہ اپنے لیے کافی بنائے تو بھی اتنا ڈرامہ!"

"صرف اپنے لیے؟"

"آپ کو بھی چاہیے؟"

"جسے چاہیے اسے دو۔" نضرہ نے کافی جار نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"اتنی سمجھدار تو ہیں آپ۔"

"اب تم بھی ہو رہے ہو۔" وہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔

وہ کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیے باہر نکل رہا تھا تب ماہین آئی۔ کچھ دیر پہلے صاف کیے گئے سلیب کو پھر صفائی اور دھلائی کی ضرورت تھی۔

"یا اللہ بیوی کے یہ لاڈ روز نہ ہوں!" اس نے دعا کی۔

سلائیڈنگ کھلنے کی آواز پر ثانیہ چونکی۔

"کافی۔" سبحان نے مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"آہا۔ مجھے بہت طلب ہو رہی تھی، بس یہ چیپٹر ختم کر کے کچن میں ہی جانا تھا۔" اس نے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان مگ تھاما۔

"تھینکس۔"

"تھکتی نہیں تم اتنا پڑھ پڑھ کے؟"

"یہ میرا شوق ہے۔ مجھے کتابوں اور نوٹس کا ساتھ اچھا لگتا ہے۔" مگ تپائی پر رکھ کر اس نے کھلے بال اسٹک کی مدد سے قید کیے۔

"میں بھی یہ شوق اور محبت نہیں سمجھ پاؤں گا۔"

"کتابوں اور نوٹس کو تمہارا پب جی، فٹ بال اور جم مان لو تو سمجھ آئے گا۔"

"آاااا اچھاااا۔" اب بھی اس کے لیے ان دونوں کو ایک سا مان لینا مشکل تھا۔

"پڑھو تم میں......"

"کافی تو میرے ساتھ ختم کر سکتے ہو تم۔" ثانیہ نے مگ اٹھاتے ہوئے قطع کلامی کی۔

وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں کافی بنانی آتی ہے۔" ایک گھونٹ کے بعد ہی اس نے اعتراف کیا۔

"یہ رات کو تنہا جاگنے کا فائدہ ہے۔"

"ہاں مجھے بھابھی نے بتایا تھا تم ایک کپ کافی بناتے ہوئے کتنا کام بڑھا دیتے ہو کچن میں۔" وہ ہنسنے لگی۔

"کوئی ایک بات راز نہیں رکھ سکتی ہیں بھابھی۔"

"پھر کون سی بات راز رکھنا چاہتے ہو تم؟"

"ہمم۔" وہ سوچنے لگا۔

"اتنے راز ہیں؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

"نہیں، سوچنے پر بھی یاد نہیں آ رہا کہ کیا راز رکھنا چاہیے۔" وہ پل بھر کو رکا۔ "تم سے۔"

ثانیہ نے مسکراہٹ چھپا مگ لبوں سے لگا لیا۔

"پرسوں ہے پہلا پیپر؟"

"ہمم۔"

"پڑھو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "ورنہ بعد میں مجھے اور میری کافی کو الزام دو گی۔"

ثانیہ کی کافی ختم نہیں ہوئی تھی۔ جاتے ہوئے سبحان نے اس کے بالوں سے اسٹک کھینچ کر سامنے کھلی کتاب میں رکھی۔

"یہ ایسے ہی اچھے لگتے ہیں۔" ثانیہ کا سانس رک گیا تھا۔

"پھر چاہتے ہو تمہیں الزام نہ دوں!"

سوئچ بند ہونے کی آواز پر اس کی سانس بحال ہوئی۔

٭٭٭

امتحان کا وقت دس بجے کا تھا وہ نو بجے گھر سے نکلنے تیار تھی۔ کچھ بھولی تو نہیں، سب رکھ لیا، دو نفل پڑھ لو، دعا یاد سے پڑھنا، فکر نہ کرو، گھبرانا نہیں، ریلیکس رہو، جیسے جملوں کے ساتھ اس کا میکہ فون پر اور سسرال آس پاس، گویا اس کے ساتھ امتحانوں کے لیے تیار تھا۔

"جگاؤں یا رہنے دوں؟" آئینے میں اسکارف سیٹ کرتے ہوئے اس نے سوئے سجان کو دیکھ کر سوچا۔

تب ہی سجان کے فون میں الارم پوری آواز میں بجنے لگا۔ اس نے کسمسا کر ہاتھ یہاں وہاں مار کر فون اٹھایا، اسکرین دیکھی، الارم بند کیا اور اٹھ بیٹھا۔

"بس ابھی چلی گئی میں، ذرا دس منٹ پہلے کا تو الارم لگاتے۔" اس نے بکھرے بال والے نیند میں الجھے سجان کو دیکھتے ہوئے شکایت کی۔

"تم جگا دیتیں۔ آل سیٹ؟"

"یس۔"

"آل دا بیسٹ۔" اس نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ہی ہاتھ آگے کیا۔ ثانیہ نے ذرا توقف کے بعد اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سجان نے دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"تمہیں بیسٹ وشز کے علاوہ میں کوئی ایکسپرٹ ایڈوائز نہیں دے سکتا، ان شاء اللہ جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی رزلٹ ہوگا تمہارا۔"

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی۔ تبھی نضرہ اندر آئی۔

"بس ہاتھ ملاتے پر اکتفا کر رہے ہو؟" ثانیہ نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"بڑے اَن رومینٹک ہو، اسے ایگزام ہال تک چھوڑنے جاتے، آج تو اٹھ جاتے جلدی۔"

"آپ اور آپ کی توقعات! کبھی اپنے امتحانوں کے لیے نیند قربان نہیں کی میں نے۔"

"چہیتی بیوی کی بات الگ ہوتی ہے۔"

"آپ کو یقین ہے یہ تو چہیتی بیوی ہے؟" اس نے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"اسے تو دوسری نظر میں محبت والی شادی اب یہ سوال! ابھی جانے دو ثانی، لیکن تمہارا پیپر ہو جانے کے بعد لڑنا اس بات پر اس سے۔" اس نے ثانیہ سے کہا۔

"ماموں جان کہہ رہے ہیں وہ تمہیں اسٹیشن ڈراپ کر دیں گے، چلو۔"

اس نے بیگ اٹھایا اور نضرہ کے پیچھے ہولی۔ دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا۔ سجان نے تھمبس اپ کے ساتھ ایک بار پھر اسے وش کیا تھا۔ اس کے باہر جاتے ہی وہ پھر بستر پر گر گیا۔

"اور چار دن۔" منہ پر چادر لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

☆☆☆

"میں تمہیں لینے آؤں؟" آج وہ نہ صرف جاگ رہا تھا بلکہ اس وقت اپنی کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا۔

"میں امی کی طرف جانے کا سوچ رہی تھی۔"

"تو وہاں لینے آجاؤں گا، تم رکنے کا تو نہیں سوچ رہی؟" اسے امید نہیں تھی وہ یوں سیدھا پوچھ لے گا۔

"اونہوں۔" اس نے خواہ مخواہ اس کی طرف پشت کر لی۔ اس آخری موقعے پر کوئی ہلچل مچانا مناسب نہیں تھا سو وہ ضبط کیے صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"میں کال کروں تب ہی آنا۔" وہ جب بھی اس کے لہجے، الفاظ اور نظروں سے متاثر ہوتی اس کا لہجہ 'باس' والا ہو جاتا تھا۔

"اوووو کے۔" یہ بات وہ بھی سمجھنے لگا تھا۔

"آپ کو تایا جان بلا رہے ہیں۔" تبھی ماہین اندر آئی۔

"اللہ حافظ۔" بیگ کی زپ بند کر کے اس نے شانے پر ڈالا۔

"اللہ حافظ۔" سجان نے الوداعی نظر اس پر

ڈالی۔ وہ باہر نکل گئی۔ تلاطم خیز جذبات اور آتش انگیز احساسات کو جہاں تھپک دے کر سلا دیا تھا۔ چند گھنٹے بعد وہیں سے دوبارہ شروعات کے خیال سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی ثانیہ کو ذرا اندازہ نہیں تھا کہ اس کے آگے کی کہانی درد کے قلم اور آنسو کی روشنائی سے رقم ہوگی۔

اس کے جانے کے بعد وہ بھی نکل گیا۔ اسے آج بہت کام تھے۔

وہ جو گھڑی کی سوئیوں پر نظر رکھے چار بجنے کا انتظار کر رہا تھا کہ ثانیہ کو لینے جائے گا، ابا کے فون پر بے مزا ہوا اور ان کی بات سن کر تو آگ بگولا ہی ہو گیا لیکن انکار کی کوئی صورت نہ تھی۔ کپڑے نکالتے اور بیگ تیار کرتے ہوئے اس نے ثانیہ کو کال ملائی۔

"ابا جی میری زندگی کے ولن ہیں، آج کنفرم ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" وہ ہنسی۔

"انہیں گاؤں جانا ہے، وہ بھی میرے ساتھ۔"

"اچانک؟ گاؤں کیوں؟" اس بار وہ حیران ہوئی۔

"ان کے کزن کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ان کا ارادہ ہے کہ انہیں گاؤں سے یہاں لے کر آئیں گے علاج کے لیے اور ڈرائیور کی خدمات انجام دینے کے لیے مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اللہ انہیں شفا دے۔ صورت حال ہی ایسی ہے، تمہیں جانا چاہیے۔"

"کتنے دن کے لیے؟" ثانیہ نے پوچھا۔

"پتا نہیں، لکھنؤ تک فلائٹ ہے، اس کے بعد کار سے ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے، واپسی میں شاید دو تین دن لگ جائیں، وہاں جا کر ہی کچھ سمجھ میں آئے گا۔"

"موڈ آف نہ کرو، کچھ دن کی ہی تو بات ہے۔"

وہ اسے حوصلہ دینے لگی۔

"کوشش کے باوجود میرا موڈ آف ہی ہے۔"

"میں چچا جان سے کہہ دیتی ہوں تم مجھے فون کر کے کہہ رہے ہو کہ تمہیں نہیں جانا پھر وہ تمہیں [illegible] بتا دیں گے۔" اس نے چھیڑا۔

"رحم کرو! مجھے تنہا ان کے ساتھ سفر کرنا ہے یہ خیال ہی کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں ہے۔" وہ ہنس دی۔

"کب کی ہے فلائٹ؟"

"وقت بھی نہیں بتایا، بس آدھے گھنٹے میں نکلنا ہے یہ کہا مجھ سے۔" وہ سلگا ہوا تھا۔

"چاچو جان بہت نفیس مزاج کے ہیں بس تمہارے ستارے نہیں ملتے ان سے، تم خیر سے جاؤ، پکی جرنی۔"

"پکی جرنی تو یہ ہو ہی نہیں سکتی، اپنے ایگزامز ختم ہونے کا اتنا انتظار نہیں کیا تھا میں نے جتنا تمہارے ایگزامز ختم ہونے کا کیا۔ تم جتنے آرام سے ابھی مجھ سے بات کر رہی ہو ناں تمہیں غلطی سے بھی خود کو رومانٹک نہیں کہنا چاہیے۔" اس کا دکھ اور افسوس کم نہیں ہو رہا تھا۔ "امتحان تو جانے کب سے صرف میرا چل رہا تھا اور اب یہ ایکسٹینڈ ہو گیا ہے۔"

ثانیہ کچھ بول نہ سکی۔

"ثانو! سن تو رہی ہو ناں۔"

"ہمم۔ مجھے امی آواز دے رہی ہیں، اللہ حافظ۔" اس نے فون بند کر دیا۔

وہ مسکراتے ہوئے فون رکھ کر نہانے چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا باہر نکل کر پھر اسے فون لگائے گا۔ جب باہر نکلا تو ماہین پہلے سے وہاں موجود تھی ابا کا پیغام لیے کہ وہ بالکل تیار ہیں اور اس کا انتظار کر رہے ہیں، مزید دیر کی تو فلائٹ چھوٹ جائے گی۔

وہ شرافت سے ان کے ساتھ چل پڑا۔ فلائٹ میں فون آف کرنے سے پہلے اس نے اسے واٹس ایپ کیا تھا۔

لکھنؤ سے اوبر کے ذریعے وہ گاؤں پہنچے تھے۔ وہاں سے قریبی شہر گئے جہاں چاچا اسپتال میں داخل تھے۔ غفران احمد نے ان کے ڈاکٹر سے

digestlibrary.com

بات کی اور فیصلہ یہ ہوا کہ انہیں ممبئی کے بجائے لکھنو لے جایا جائے۔ واپس گاؤں آکر ملنے ملانے والوں سے فرصت اسی وقت ملی جب وہ چھت پر سونے کو لیٹا۔ وہ بے تحاشہ تھک گیا تھا، آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں لیکن وہ سونے سے پہلے ثانیہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ابھی تک فلائٹ والے پیغام کا جواب نہیں آیا تھا۔

"سو گئیں؟" اس نے پوچھا۔ فوراً بلیو ٹک آگئی تھی۔

"نہیں۔"

"میں نے تمہیں صرف پڑھتے دیکھا ہے، اب پڑھائی نہیں تو کیا کر رہی ہو؟"

"اتنے دن بعد گھر آئی ہوں، باتیں ہی ختم نہیں ہو رہیں سب کی۔"

"میں یہاں سڑ رہا ہوں اور تم انجوائے کر رہی ہو۔" اس نے ساتھ منہ بسورتی ایموجی بھی بھیجی۔

اس نے بھی کھلکھلاتی اتراتی ایموجی سے جواب دیا۔

"کیسی طبیعت ہے سبحان ان انکل کی؟"

"وہ ٹھیک ہیں کل صبح لکھنو شفٹ کریں گے انہیں۔"

"اچھا۔"

"تم تھک گئے ہو گے، سو جاؤ۔"

"تم مجھ سے کترا کیوں رہی ہو؟"

"میں؟ نہیں تو۔"

"کل بھی بہانے سے فون رکھ دیا تھا اب بھی ٹالنے کے فراق میں ہو۔"

"ایسا تو نہیں۔" سبحان نے فوراً کچھ نہیں کہا۔ ذرا توقف کے بعد لکھا۔

"تو ابھی کال کروں؟"

"تم نے بھی دیکھا تو ہے کتنا بڑا گھر ہے، فون پر کھسر پھسر کرنا بڑا غیر اخلاقی لگتا ہے۔"

"کھسر پھسر کیوں؟" اس کے لبوں پر شریر تبسم پھیل گیا۔ ادھر سے آنکھیں دکھاتا ایموجی بھیجا گیا۔

"یہ تو کوئی جواب نہ ہوا۔"

"مجھے تمہیں کتنا ڈانٹنا پڑتا ہے اور وہ سب نہیں، اچھا نہیں لگتا ناں!"

"ہاہاہاہا۔ تم اپنی ڈکٹیٹرشپ سب سے چھپانا چاہتی ہو۔"

"ہاہاہا۔" اس نے قہقہہ لگاتی ایموجی کے بعد اگلا میسج کیا۔

"تم سو جاؤ تھک گئے ہو۔"

"تم اتنے پیار سے بات کرتی ہو تو مجھے شک ہوتا ہے۔"

"کس نے کہا میں پیار سے بات کر رہی ہوں؟"

"پھر کیسے بات کر رہی ہو؟"

"سبحان تمہیں واقعی نیند آرہی ہے، اب سو جاؤ۔"

"کوئی ایسی بات کہو کہ اچھے خواب کی امید میں میں خوشی خوشی آنکھیں بند کرلوں۔"

"جلدی واپس آؤ، اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے فون بند کر کے سرہانے رکھا اور آنکھ بند کرتے ہی سو گیا۔

اگلا سارا دن ابا کے ساتھ مصروف گزرا تھا۔ محمود چاچا کو لکھنو کے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ان کے گردوں کا مسئلہ تھا اور انہیں ڈائلیسس کی ضرورت تھی۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو سعودی میں برسر روزگار تھا۔ بہت بڑا خاندان تھا لیکن سب اپنی زندگیوں میں مصروف تھے۔ پورا وقت دوسرے شہر، اسپتال میں ان کے ساتھ کوئی نہیں رکنے والا تھا۔ رات میں ان کے ساتھ ٹھہرنے ان کا بھتیجا آگیا تو وہ ابا کو لے کر گاؤں واپس آیا۔ محمود انکل کی گاڑی ہی ان کے زیر استعمال تھی۔ رات سونے کے لیے چھت پر آتے ہی اس نے فون اٹھایا۔

"کہاں ہو؟" آدھا گھنٹہ پہلے کا ثانیہ کا سوال تھا۔ اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔

"تمہارے آس پاس۔" اس نے تکیے پر سر رکھ کر اسے جواب دیا۔

"کیا یہ پڑھ کر مجھے شرمانا چاہیے؟" ادھر سے آنے فوراً جواب پر اس کا تبسم مزید گہرا ہو گیا۔ وہ خفا تھی۔

"ہاں اگر تمہارا رومانٹک ہونے کا دعویٰ درست ہے تو!"

"ثابت ہوا تم رومانس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"تو اس اناڑی کو سکھاؤ کچھ۔"

"میں تمہیں سکھاؤں اور وہی تم مجھ پر آزماؤ۔ نہ۔"

"ویسے تم نے اپنے اس دعوے کا ایک ثبوت نہیں دیا ہے اب تک۔" وہ اس سے کچھ سننا چاہ رہا تھا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔"

"یعنی۔ تم مجھے ثبوت دو گی؟"

"کیا پتا۔" یوں گول مول جواب اس کا خاصہ نہیں تھے مطلب وہ گڑبڑا رہی تھی یا شرما رہی تھی۔

"ہیلو!"

"ہممم۔"

"آئی ایم مسنگ یو!"

"سبحان!"

"ہممم۔"

"سو جاؤ۔"

"دھت، دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے تمہارا دعویٰ۔ عام سا بندہ بھی جواب میں می ٹو کہے گا اور ایک تم ہو۔"

"میں نے بھابھی سے سنا تم دن بھر کتنے مصروف تھے اس لیے آرام کا کہہ رہی ہوں۔"

"یعنی تمہارا رومانس کا طریقہ الگ ہے؟"

"ہر بات میں رومانس ڈھونڈنا ضروری ہے؟"

"تم خود رومانٹک ہونے کا دعویٰ نہ کرتیں تو میں کبھی نہیں ڈھونڈتا۔"

"بھول جاؤ میں نے کبھی ایسا کچھ کہا تھا۔" اس نے ماتھے پر ہاتھ والی ایموجی ساتھ بھیجی۔

"اب مشکل ہے۔" سبحان نے زبان چڑاتی ایموجی ساتھ لگائی۔

"ابو آواز دے رہے ہیں۔ اللہ حافظ۔" اس نے الوداعی کلمات بھیجے۔

"نائٹ فیئر۔ اللہ حافظ۔" وہ کتنی ہی دیر دیکھتا رہا لیکن ٹک بلیو نہیں ہوئی۔ اس نے فون رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد مخصوص آواز پر اس نے فون اٹھایا۔

"می ٹو!" ثانیہ کا میسج تھا۔

اس نے فون سینے پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔ نیند میں بھی اس کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔

پھر یہ معمول ہو گیا۔ دن بھر وہ ابا کے ساتھ فرمانبردار بیٹا بنا رہتا اور رات چھت پر آتے ہی ثانیہ سے باتیں ہوتیں۔ محمود چاچا بہتر ہو رہے تھے۔ ان کے ڈسچارج کے بعد انہوں نے جائداد کی تقسیم کی سلسلے میں ابا کو روک لیا۔ خاندان کی کچھ پرانی رنجشیں اور اختلاف بھی وہ ختم کرنا چاہتے تھے۔ غفران احمد چوں کہ سب سے بڑے تھے اس لیے ان کی بات سب سنتے اور مانتے تھے۔

"تم کال کیوں نہیں کرنے دیتیں؟" روز اس کے انکار کے بعد آج اس نے پوچھ ہی لیا۔

"بتایا تو تھا چھوٹا سا گھر۔ تم واپس کب آ رہے ہو؟"

"رومانٹک انسان اس سوال کی جگہ کہتا آئی مس یو۔"

"انیویں ہی، مجھے تو یاد نہیں آ رہی تمہاری۔"

"مس یو کا بھی ایک مطلب نہیں ہوتا ہے، اسپیشلی جب میرڈ کپل کی بات ہو۔"

"ہاں اس کا مطلب ہوتا ہے، بہت دن ہوئے سکون ہے، بہت دن ہوئے لڑے نہیں، بہت دن ہوئے آرام دو زندگی اب اچھی نہیں لگ رہی وغیرہ وغیرہ۔"

digestlibrary.com

"اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ۔"
"کیا؟"
"کہ تم رومانٹک ہو۔"
"ہاہاہاہاہا۔ ایسے تو تم نے بھی جھوٹ کہا تھا مجھے کہ تم رومینٹک نہیں۔"
"یعنی تم مان رہی ہو فی الحال ہمارے بیچ۔ کم از کم میری طرف سے رومانس چل رہا ہے؟"
"اسے فلرٹ کہتے ہیں۔"
"چلو یہ بھی ٹھیک، اس رشتے میں فلرٹ بھی صحت مند مانا جاتا ہے۔"
"بہت زیادہ صحت مند بھی نہ کرو۔"
"ہاہاہا...... اچھا سنو ہم شاید ایک دو دن میں واپس ہوں۔"
"اچھا۔"
"اففف۔ !تمہیں کہنا چاہیے تھا، میں گھر پر تمہارا انتظار کروں گی ودتھ اے شرمائی ایموجی۔"
ادھر سے اس نے زبان چڑاتی ایموجی بھیجی۔
"مجھے لینے آؤ گے کہا تھا تم نے یاد کرو، تمہارے ساتھ ہی آؤں گی۔"
"تم ظالم ہو۔"
"ہاں تو تم مجھے مہرباں بنادو۔"
"کیسے؟"
"سب میں ہی بتاؤں تو کیا فائدہ۔"
"تم مشکل ہو۔"
اور مشکل ہی رہوں گی۔"
"اچھا میں لینے آؤ تو مجھے کیا ملے گا؟" اس کے جواب سے پہلے اس نے فوراً لکھا۔
"اب یہ نہ کہنا میں۔"
"ہاہاہا۔ نہیں۔ تمہیں بھی ایک سرپرائز ملے گا۔"
وہ کچھ لکھتا اس سے پہلے اس کے الوداعی کلمات آگئے۔
"شبیا جا بلا رہی ہیں۔ اللہ حافظ۔"
اس کی سرپرائز والی بات پر وہ بھی اس کے لیے کچھ ایسا ہی سوچنے لگا۔
اگلے دن اسے بالکل وقت نہیں ملا پھر بھی اس نے اسے خیریت اور مصروفیت کا پیغام بھیجا تھا۔ ان کی فلائٹ اگلے دن صبح سات بجے کی تھی۔ رات گاؤں سے لکھنو کے سفر میں گزری تھی۔
دس بجے تک وہ ممبئی اپنے گھر پہنچ گئے۔ وہ ضروریات سے فارغ ہو کر سرپرائز کی تیاری کے لیے باہر چلا گیا۔ اس نے پہنچنے کی اطلاع کا پیغام بھیجا تھا۔ تین چار گھنٹے بعد وہ واپس آیا تو سب بے وقت ہال میں جمع تھے۔ اس میں دونوں پھوپھو اور جانے کون کون تھا۔ سب سامان الماری میں رکھنے کے بعد وہ اسے فون کرنے جا رہا تھا کہ نُضرہ دروازے میں نمودار ہوئی۔
"ذرا ہال میں آؤ۔" اس کی آواز میں سختی تھی۔
"کیا ہوا؟" وہ اس انداز پر چونکا۔
"تم بتاؤ مجھے؟ کیا کیا ہے تم نے؟" اس نے نُضرہ کو پہلی بار اس قدر سنجیدہ دیکھا تھا۔
"تم سے یہ امید نہیں تھی مجھے۔"
"صاف صاف کہیں بھابھی۔"
"تم آؤ ادھر، وہیں جواب دو۔"
"چلیں۔" وہ اس کے ساتھ ہال میں آیا۔
وہاں زیادہ چہروں پر غصہ، تاسف اور دکھ تھا۔ چند پر استہزاء۔ غفران احمد سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے تاثرات نہ دیکھ سکا۔
اس کے سلام کا جواب بھی کسی نے نہیں دیا۔
"یہ دلشاد آپا کیا کہہ رہی ہیں؟" چھوٹی پھوپھو یعنی نُضرہ کی امی نے پوچھا۔
وہ سوالیہ نظروں سے بڑی پھوپھو کو دیکھنے لگا۔
انہوں نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ تبھی اس کا فون بجا جو اس نے دیکھے بنا منقطع کرتے ہوئے آف کر دیا۔
اسے کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔
"کوئی بتائے بھی۔" اس نے باری باری سب کو دیکھ کر نظر نُضرہ پر روک دی۔
"ماموں جان کی شرائط اور الٹی میٹم کی وجہ سے

تم نے ثانیہ کے ساتھ۔"

وہ درست لفظ سوچتی ذرا ٹھہری جب کہ وہ اس کی زبان سے ثانیہ کا پورا نام سن کر ہی حیران تھا۔

"یہ ارینجمنٹ کی ہے، اس پر بھی شادی کا دباؤ تھا تم پر بھی، اس طرح تم دونوں نے یہ مسئلہ حل کیا ہے۔" اس قدر درست معلومات نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ اس کا رنگ بدلتا چہرہ سب نے دیکھا۔ غفران احمد کا فون بجا۔ انہوں نے بند کر دیا۔

"تمہارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے، اس رشتے کو مذاق بنا دیا ہے اور ہم سب کو بے وقوف بنا رہے ہو۔" نُضرہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ باپ کو۔ ان کا فون پھر بجا۔ انہوں نے پھر کال منقطع کر دی۔

"یہ۔ یہ سب کس نے کہا آپ سے؟" اس نے رخ دلشاد کی طرف موڑا۔

"اہم وہ نہیں ہے، اس میں کتنی سچائی ہے یہ کہو۔" وہ غصے سے گویا ہوئیں۔

ٹی وی یونٹ پر رکھا عذرا کا موبائل بجنے لگا۔

"دیکھ لو ذرا کون بار بار فون کر رہا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر بہو سے کہا۔ نُضرہ نے موبائل اٹھا کر اسکرین سب کے سامنے کی۔

"ثانیہ کی امی ہیں۔"

"بلاؤ انہیں بھی یہاں، وہ بھی دیکھیں بیٹی کے کرتوت۔ وہ ہی میں کہوں یہ ایسے دو دن میں شادی کے لیے تیار کیسے ہو گیا؟" دلشاد پورے جوش میں تھیں۔

"ہیلو۔" نُضرہ نے بڑی رکھائی سے کہا۔

"کیا؟" کچھ لمحے ادھر کی بات سننے کے بعد اس کا انداز بدل گیا۔

"لیکن کیسے؟ اللہ اکبر......! ابھی کہاں ہے؟ اچھا۔ جی جی۔" اس نے فون رکھ کر سحبان کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" عذرا نے پوچھا۔

"ثانی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔"

"آں۔" وہ اس کے قریب آیا۔ "کیا ہوا اسے؟ کل تک تو بالکل ٹھیک تھی۔"

"ماموں جان!" نُضرہ نے غفران احمد کو مخاطب کیا جو ادھر ہی متوجہ تھے۔

"ثانی کچھ دیر پہلے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ وہ امید سے تھی اور اس وجہ سے......" نُضرہ کا لہجہ اور چہرہ باقی بات کہہ گیا۔ عذرا اور غفران احمد ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہروں پر کچھ اطمینان اور افسوس ایک ساتھ ابھرا تھا۔ سحبان کو کچھ نہیں سمجھا۔

"بھابھی! کیا ہوا ہے؟" نُضرہ نے دو جملے انگریزی میں کہے اور اس کے سر پر آسمان گرا۔ اس نے جیب میں چابی ٹٹولی اور نہ پا کر کمرے کی طرف بھاگ ہی رہا تھا کہ غفران احمد نے روکا۔

"ساتھ چلو۔" وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر لفٹ کی طرف بڑھے ان کے پیچھے سحبان، عذرا اور نُضرہ تھیں۔ پیچھے رہ جانے والے حیران پریشان ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

وہ چاروں اسپتال پہنچے تو ثانیہ 'ڈی اینڈ سی' کے لیے آپریشن تھیٹر میں تھی۔ وہ سب تفصیل سن رہے تھے لیکن اسے کسی بات کا تجسس نہیں تھا۔ وہ بس فوراً اسے دیکھنا اور ملنا چاہتا تھا۔ ذرا دیر پہلے والی اتنی اہم خبر بھی اب ذہن سے محو تھی۔

کمرے میں منتقل ہونے کے بعد جب اس نے ثانیہ کو دیکھا تو مرجھایا سفید چہرہ دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔ ایسے تو نہیں چھوڑا تھا اس نے اسے نہ یوں دیکھنے کا تصور کیا تھا۔ وہ ہوش میں آئی تب وہ اس کے پیروں کے قریب اس کے سامنے کھڑا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی اس نے اسے دیکھ کر پھر آنکھیں موندلیں۔

سب باری باری اس کے پاس جا کر اسے تسلیاں دے کر باہر چلے گئے۔ وہ قریب آیا اور ثانیہ نے چہرہ پھیر لیا۔

"ثانو۔!" اس نے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا اور ثانیہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

اتنا سب کچھ اس قدر ماورائے گمان، چانک

اور غیر یقینی سا تھا کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ کیا، کیا حقیقت اور کیا سراب، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
"پلیز چلے جاؤ۔" اس کے چہرے اور آنکھوں میں جو تھا اس میں اتنے دنوں سے ہو رہی گفتگو اور تبدیلیوں کا عکس تک نہ تھا۔
ثانو۔!" وہ ششدر تھا۔"
"مجھے تمہاری آواز اور موجودگی سے وحشت ہو رہی ہے، جاؤ پلیز۔"
فون سن کر یہاں آتے ہوئے اور پھر اسے ہوش و حواس سے بے گانہ دیکھ کر جو حالت ہوئی تھی وہ اتنی بدتر نہیں تھی جتنی اب ہوش و حواس میں اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ہوئی۔
"ثانو تم۔" اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرنا چاہا اور ثانیہ نے بری طرح اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ سحبان کو بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔
"میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ آواز سننا چاہتی ہوں، یہاں سے جاؤ۔" وہ رو رہی تھی۔
"او کے۔ ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں لیکن تم روؤ نہیں پلیز۔" اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ابھی سوال جواب اور تفتیش شروع کر دیتا۔ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے وہ کتنی ہی دیر دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا جس نے اس کے باہر نکلنے تک رخ دوسری طرف ہی رکھا تھا۔
گھر آ کر اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی کہ اس معاملے کا کیا ہوا۔ ثانیہ کے رویے نے اسے سب بھلا دیا تھا۔ ایک رات یا کچھ گھنٹوں میں ایسا کیا ہو گیا اور جو ہوا اس میں اس کا قصور؟
وہ جلد سے جلد اسے گھر لانا چاہتا تھا مگر عذرا نے کہا کچھ دن رہنے دو۔ اس نے اس کا نمبر بھی بلاک کر رکھا تھا کیوں کہ اب نہ اسے پیغام پہنچ رہے تھے نہ کال لگ رہی تھی۔
اس کے بار بار کہنے پر غفران احمد نے فون کر دیا کہ وہ اسے آج لینے آ رہے ہیں۔ وہ نضرہ اور ابا کے ساتھ جا کر اسے لے آیا۔ پہلی بار سب اس کے کمرے میں دیر تک بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں اس کی دلجوئی کے لیے کرتے رہے۔ سب جیسے دلشاد کی بات کو اہمیت دینے اور ان پر شک کرنے پر شرمندہ سے تھے۔ وہ بھی ان سب کی خاطر مسکراتی رہی۔ سحبان خاموش ہی تھا۔ کوئی ان کے چہروں کی اداسی کی اصل وجہ نہیں جانتا تھا۔ گیارہ بجے وہ سب کمرے سے گئے۔ سحبان دروازہ بند کر کے پلٹا تو وہ پلنگ سے اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"کہاں جا رہی ہو؟ وہیں رہو، کچھ چاہیے تو مجھے کہو۔"
اس نے کچھ نہیں کہا اور پلنگ سے اتر گئی۔ اسے الماری کھول کر نچلے خانے میں جھکتے دیکھ وہ سمجھ گیا وہ اپنا بستر نکال رہی تھی۔
"ثانو!" وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ "کس وجہ سے ناراض ہو اتنا تو بتا دو۔"
اس کے بازو سے نکل کر وہ اپنی جگہ پر دری بچھانے لگی۔ اس کے سپاٹ چہرے سے کچھ بھی اخذ کرنا مشکل تھا۔ سحبان نے اس کے ہاتھ سے چادر کھینچ کر دور پھینکی۔
"بات کرو۔" اب کے اس کے لہجے میں غصہ تھا۔
ثانیہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ چوری اور اوپر سے سینہ زوری۔ اس نے سحبان کو گھور کر دیکھا اور کچھ کہے بنا دور پڑی چادر اٹھائی اور دری پر ڈالنے لگی۔
سحبان نے پھر اس کے ہاتھ سے چادر چھینی۔
"ڈھنگ سے لڑ لو پہلے۔"
ثانیہ لب بھینچے اسے گھور رہی تھی لیکن کچھ پل میں ہی اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔
"کچھ گھنٹوں میں ایسا کیا ہو گیا کہ تم اس قدر بدل گئی ہو؟"
"کچھ گھنٹے؟" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ اس کی بھیگی آنکھوں میں اب شرارے لپک رہے تھے۔
"اتنے دن تمہارے لیے کچھ گھنٹے ہیں؟ تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے ہاں۔؟ بات کچھ گھنٹوں یا دنوں کی

نہیں تمہاری اصلیت کی ہے جو میں جان گئی ہوں۔"
"کون سی اصلیت؟"
"یہی کہ تم فلرٹ ہو، فریبی ہو، جھوٹے ہو۔"
سحبان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ رہا تھا۔
"کس بنا پر یہ سب کہہ رہی ہو تم؟" اس نے پھر بھی بڑے ضبط سے پوچھا۔
"واہ!" وہ ہنسی۔ "تمہاری دیدہ دلیری واقعی قابلِ رشک ہے۔"
"ثانو! صاف صاف بات کرو، مسئلہ کیا ہے؟"

ثانیہ کچھ پل اسے قہر برساتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر پلنگ سے اپنا فون اٹھایا اور واٹس ایپ کھول کر اسکرین اس کے سامنے کی۔ سحبان نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ کچھ دیر اسکرین اسکرول کرنے کے بعد اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"یہ میرے میسجز کے اسکرین شاٹس ہیں۔" ثانیہ کو اس سے اس 'حق گوئی' کی توقع نہیں تھی۔ اس کے دل پر گھونسہ پڑا۔
"تم اس وجہ سے ناراض ہو؟" اس سے زیادہ عجیب وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔
"کیا نہیں ہونا چاہیے؟"
"اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟"
"سحبان!" وہ زخمی شیرنی کی طرح اس کے مقابل آئی۔
"جانے سے پہلے ہوئی کال کے بعد سے تم نے مجھے ایک میسج کیا نہ ایک کال کی اور یہ ثبوت ہے کہ وہ پورا وقت تم کسی اور کے ساتھ فلرٹ میں مصروف تھے، یہ بے ضرر باتیں نہیں ہیں، فلرٹ ہے، افیئر ہے، مجھے حیرت نہ ہوتی اگر ہمارے درمیان......" بات کی ابتدا میں اس کی آنکھوں میں مارے طیش کے شعلے لپک رہے تھے اور آخر تک آواز رندھ گئی۔
"ثانو!" اس کے چہرے پر شدید الجھن پھیلی، یہ کیا کہہ رہی تھی وہ؟ اس نے فون پلنگ پر اچھالا اور اسے شانوں سے پکڑا۔
"مت ہاتھ لگاؤ مجھے۔" ثانیہ نے بری طرح اس کے ہاتھ دور کیے۔
"تم نے پہلے دن ہی کہا تھا محبت تمہارے بس کا روگ نہیں، میں اب بھی کیوں نہیں سمجھی، کیوں تمہیں سریس ریلیشن شپ نہیں چاہیے تھا، کمٹمنٹ نہیں چاہتے تم، میری بے وقوفی کہ......"
"ثانو! میری بات سنو۔" اس کے احتجاج کے باوجود سحبان نے اس کے شانوں کو مضبوطی سے تھاما۔
"یہ سارے میسجز میں نے تمہیں کیے ہیں۔ میں نے کہا تھا محبت میرے بس کا روگ نہیں لیکن پھر مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ گھر سے نکلنے سے لے کر واپس گھر پہنچنے تک میں تم سے بات کر رہا تھا، یہ سب میں نے تم سے کہا ہے، میں فوراً تمہیں لینے نہیں آ پایا کیوں کہ تمہارے لیے سرپرائز پلان کر رہا تھا الماری کے اپر شیلف میں رکھا ہے، مجھے پہلے لگا تم شاید اسی وجہ سے ناراض ہو لیکن یہ کوئی معمولی بات نہیں۔" اس نے شانے سے ہاتھ ہٹا کر اس کا چہرہ تھاما۔
"آئی لو یو، آئی لو یو، آئی رئیلی لو یو ثانو!" کبھی کبھی خاص، اہم اور سچی بات کہنے کے لیے بہت عام سے الفاظ ہی سب سے موزوں ہوتے ہیں۔
"یہ سب کیا ہے، کیوں ہے، کس نے کیا ہے، ہم پتا لگا لیں گے اور بھی بہت کچھ ہوا ہے میرے آنے کے بعد گھر میں جو تم نہیں جانتیں لیکن ان سب سے پہلے ضروری ہے کہ تم میرا یقین کرو۔" اس کا لہجہ، اس کا چہرہ، اس کی نظر اور اس کے الفاظ۔ ثانیہ اب بھی بے یقین لیکن دم بخود تھی۔
سحبان نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور جیب سے فون نکال کر سیٹنگ میں جا کر سارے لاک اور پاس ورڈ ہٹا کر فون ثانیہ کی ہتھیلی پر رکھا۔
"میں تم سے بات کر رہا تھا اس امر سے بے خبر کہ دوسری طرف تم نہیں، سب خود دیکھ لو پھر فیصلہ

کرو۔" اس نے میز سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"اب منہ بند بھی کرو۔" آخری پرچے کے بعد وہ دونوں پلیٹ فارم پر اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی تھیں۔ ٹرینیں آتی جاتی رہیں لیکن ان کی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔ ثانیہ نے پچھلے دنوں کی واردات کا خلاصہ سلیقے سے اسے گوش گزار کرایا اور خوشنما کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"اتنے دن صبر کیسے ہوا تم سے؟" اس نے زور سے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"کیسے کیسے ڈائیلاگ مارے تھے تم دونوں نے! ایویں ہی اتنا بنتے رہے، میں نے کہا تھا ناں نکاح کے دو بول میں جادو ہوتا ہے۔ وہ ہی سوچوں میں بھی سحبان کی برائیاں کیوں نہیں کرتیں اب تم......"

ثانیہ مسکرا رہی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں تم دونوں کے لیے ثانی۔" ثانیہ کو اس کی بات پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

"اب چلو۔" وہ کھڑی ہوگئی۔ "مجھے شام کو گھر بھی جانا ہے، امی کی طرف کم وقت ملے گا۔"

"ہاں اب تو یہ ہی ہوگا۔" وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"اتنے وقت میں 'اِکے' کے پینڈنگ ایپی سوڈ بھی دیکھنے ہیں فارورڈ کر کر کے۔" اسے سب سے اہم بات یاد آئی۔

"اب تو تمہارا اپنا 'اِکے' شروع ہوگیا ہے۔" خوشنما نے پلیٹ فارم پر آتی ٹرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

خلافِ عادت کچھ کہے بنا وہ مسکرا رہی تھی۔

اس نے صبح ہی فون کر دیا تھا کہ وہ گھر آئے گی۔ سفینہ نے اس کا پسندیدہ دو پیازہ بنایا تھا۔ حبا اسکول کے باہر سے اس کا پسندیدہ بن کباب لائی تھی اور شیبا نے رس ملائی بنائی تھی۔ اسے یاد تھا شادی کے بعد بشریٰ اور یسریٰ جب گھر آتی تھیں تب وہ سب اس کی پسند کے مطابق یونہی اہتمام کرتی تھیں۔ اس سب کے باوجود بشریٰ کو ہمیشہ کسی نہ کسی کمی کی شکایت رہتی تھی۔ جب کہ یسریٰ ہمیشہ بنا اطلاع کے آتی تھی اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ جتنا وقت گھر میں رہے سب کی پسند کا کھانا بنا کر کھلائے یا ان کے کام کر دے یا خود ہی باہر سے لے آتی۔

"اب کتابیں بیاضیں اٹھا کر رکھ دو اور گھر کے کاموں میں دل لگاؤ۔" امتحان اس کا ختم ہوا تھا اور بوجھ جیسے دادی کے سر سے اترا تھا۔

"باپ کے گھر میں سیکھا تو نہیں کچھ تم نے، سسرال اچھا بھی ہو تو زیادہ دن ایسی بہو کوئی برداشت نہیں کرتا۔"

"سلائی کڑھائی کے علاوہ مجھے سب کام آتے ہیں دادی۔"

"جب کام کرنے لگو گی تب عقل ٹھکانے آئے گی کہ کتنا آتا ہے۔"

"دادی! ویسے بھی آپی کے سسرال میں کئی ملازم ہیں اور وہ ماہین تو چوبیس گھنٹے وہیں رہتی ہے، انہیں کام کی ضرورت ہی کہاں ہے۔" حبا نے کہا۔

اسے ماہین کو یوں ملازمہ کہا جانا اچھا نہیں لگا۔

"سسرال باپ کا گھر نہیں ہوتا۔ نوکر چاکر بھی ہو تو بہو کو تخت نہیں مل جاتا ہے۔" ان کا غصہ کم ہی نہیں ہوتا تھا۔

شام میں وہ سحبان کو کال کرتی اس سے پہلے ہی اس کا فون آگیا۔ پہلی بار وہ اس کا فون سننے سب کے درمیان سے اٹھ کر اپنے حجرے میں آئی تھی۔

"ابا ہی میری زندگی کے ولن ہیں، آج کنفرم ہوگیا۔" وہ جھنجلایا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"انہیں گاؤں جانا ہے، وہ بھی میرے ساتھ۔"

"اچانک؟ گاؤں کیوں؟"

"ان کے کزن کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ان کا ارادہ ہے کہ انہیں گاڑی سے یہاں لے کر آئیں گے علاج کے لیے اور ڈرائیور کی خدمات

انجام دینے کے لیے مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اللہ انہیں شفا دے۔ صورت حال ہی ایسی ہے، تمہیں جانا چاہیے۔" سحبان نے گہری سانس لی۔

"کتنے دن کے لیے؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں، لکھنو تک فلائٹ ہے، اس کے بعد کار سے دو گھنٹے کا سفر ہے، واپسی میں شاید دو تین دن لگ جائیں، وہاں جا کر ہی سمجھ میں آئے گا۔"

"موڈ آف نہ کرو، کچھ دن کی ہی بات ہے۔"

"کوشش کے باوجود میرا موڈ آف ہی ہے۔" وہ ناراض سا گویا ہوا۔

"میں چاچا جان سے کہہ دیتی ہوں تم مجھے فون کر کے کہہ رہے ہو کہ تمہیں نہیں جانا پھر وہ تمہارا موڈ بنا دیں گے۔"

"رحم کرو! مجھے تنہا ان کے ساتھ سفر کرنا ہے یہ خیال ہی کسی ڈراونے خواب سے کم نہیں ہے۔" وہ ہنس دی۔

"کب کی ہے فلائٹ؟"

"وقت بھی نہیں بتایا، بس آدھے گھنٹے میں نکلنا ہے یہ کہا مجھ سے۔" اس کا لہجہ سلگا ہوا تھا۔

ان دونوں کا ہمسفر ہونا وہ خود تصور نہیں کر پا رہی تھی۔ آگ اور پانی والا معاملہ تھا۔

"چاچا جان بہت نفیس مزاج کے ہیں بس تمہارے ستارے نہیں ملتے ان سے، تم خیر سے جاؤ، ہیپی جرنی۔"

"ہیپی جرنی تو یہ ہو ہی نہیں سکتی، اپنے ایگزامز ختم ہونے کا اتنا انتظار نہیں کیا تھا میں نے جتنا تمہارے ایگزامز ختم ہونے کا کیا۔ تم جتنے آرام سے ابھی مجھ سے بات کر رہی ہو ناں تمہیں غلطی سے بھی خود کو رومانٹک نہیں کہنا چاہیے۔" ثانیہ نے یوں چہرہ چھپایا جیسے وہ فی الحال اسے دیکھ رہا ہو۔

"امتحان تو جانے کب سے میرا چل رہا تھا اور اب یہ ایکسٹینڈ ہو گیا ہے۔" وہ روٹھا سا تھا۔

ثانیہ کچھ بول نہ سکی۔

"ثانو! سن تو رہی ہو ناں۔"

"ہمم۔ مجھے امی آواز دے رہی ہیں، اللہ حافظ۔" اس نے فون بند کر دیا۔

"تم کس مراقبے میں ہو؟" وہ دونوں ہاتھ سے فون پکڑے اسے سینے سے لگائے کھڑی تھی تب شیبا نے پوچھا۔

"میں آج نہیں جا رہی بلکہ کچھ دن کے لیے یہیں ہوں۔"

"ابھی تو تم نے جانا ہے جانا ہے کی رٹ لگائے تھی، اچانک کیا ہو گیا؟"

"اچانک یاد آ گیا کہ میں تم سب کو کتنا مس کر رہی تھی۔"

"تمہارے بہانے! لگتا ہے پہلے نا کر کے سحبان بھائی نے اب اجازت دے دی ہے۔"

"اونہہ، اپنے گھر رہنے کے لیے مجھے نہیں کسی کی اجازت کی ضرورت۔"

"دادی!" شیبا نے اونچی آواز میں پکارا۔ "ذرا سنیں تو۔"

"کچھ نہیں دادی۔" ثانیہ نے اس کا منہ بند کرتے ہوئے کہا۔

وہ شام میں عذرا کو فون کر اپنے یہاں رکنے کی اطلاع دے چکی تھی۔

ساری رات وہ فون ہاتھ میں لیے سحبان کی کال یا پیغام کا انتظار کرتی رہی۔

"شاید چاچا جان کی موجودگی کی وجہ سے۔" نیند کی وادی میں کھونے سے پہلے اس نے خود کو تسلی دی تھی۔

اگلی صبح بہت انتظار کے بعد بھی جب کوئی پیغام آیا نہ فون تو اس نے نغمہ کو فون لگایا۔ اس کی باتوں سے پتا چلا کہ وہ لوگ گاؤں پہنچ چکے ہیں۔

"لگتا ہے کچھ زیادہ سیریس ہیں چاچا جان کے کزن اور سحبان بہت مصروف!" اس نے پھر خود کو تسلی دی۔

اگلے دن اندر والی ثانی (

digestlibrary.com

نے اسے فون لگایا لیکن دوسری طرف پیغام تھے کہ ابھی نیٹ ورک سے باہر ہے، فی الحال اس نمبر تک پہنچا نہیں جا سکتا اور جانے کیا کیا۔

اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ دن بھی آ سکتا ہے جب اپنے ماں باپ اور بہنوں کے درمیان اس کا دل نہیں لگے گا۔ اسے دھچکا اس وقت لگا جب ثمرہ نے کہا کہ چاچا جان کے گزن کی طبیعت کافی بہتر ہے اور کل سحبان سے بات ہوئی ہے، اسے پہلی بار گاؤں جا کر بڑا اچھا لگ رہا ہے، انجوائے کر رہا ہے وہ۔ کتنی ہی دیر اس کا ذہن سن رہا۔ وہ کچھ سوچ ہی نہ سکی اور جب کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تو بس بڑا سا 'کیوں؟' تھا۔ اس کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ اس کا زیادہ وقت بستر میں لیٹے گزرنے لگا۔ وہ دیواروں اور چھت کو دیکھتی اس کا رویہ اور پھر یہ خاموشی سوچتی رہتی۔ کیا اس کی آنکھوں کے پیغام سمجھنے میں اس سے غلطی ہوئی؟ وہ جذبات اور گرم جوشی وقتی تھی جسے اس نے غلط ڈی کوڈ کیا؟ وہ قلبی نہیں سب بشری تقاضے تھے جن کے بعد اس نے خود کو اہم مان کر خود ہی اس کی زندگی میں اپنے مقام کا تعین کر لیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی کہہ چکا تھا، محبت وحبت اس کے بس کا روگ نہیں۔ ایک تبدیلی، نئی جگہ، خوب صورت مقام اسے فراموش کرنے کے لیے کافی تھا۔ یہ وقعت اور مقام تھا اس کا سحبان کی زندگی میں۔

"کیا میرا پہلا اندازہ درست تھا کہ وہ فلرٹ ہے؟ محبت تو دور اس کی دلچسپی کا دورانیہ بھی اتنا قلیل ہے۔ نظر سے اوجھل ہوتے ہی سب ختم۔ وہ پھول پھول بھٹکنے والا بھنورا ہے۔" اگلی سوچ پر اس کا دل بند ہونے لگا کہ کیا وہاں کوئی اور اہم مل گیا ہے اسے؟

"ثانی! آج کل کچھ زیادہ ہی سونے لگی ہے۔"

ہال سے سفینہ کی آواز آئی۔

"امتحانوں کی تھکن اور رت جگوں کا اثر ہے اور پھر باپ کے گھر آرام نہیں کرے گی تو کہاں کرے گی۔" ابو کی بات پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کتنی آسان سی زندگی تھی بس پڑھنا لکھنا گھر، کالج اور اب؟"

"اب کیا؟" اندر والی ثانی کا طنطنہ بیدار ہوا۔

"تمہیں سوگ منانے کی کوئی ضرورت نہیں، مٹی ڈالو اس پر، اس کے لیے کچھ دن کی بات تھی تو تم بھی اسے کچھ دن سے زیادہ مت کھینچو۔"

وہ اس کی تائید نہیں کر پائی بلکہ آنکھیں بند کر لیں۔ اندر جنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایک حمایتی آواز تھی اور دوسری بغاوتی۔ اندر والی ثانی کے مقابل اس کا دل تھا۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس کی بجھی طبیعت اور خاموشی کی وجہ سے سفینہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے پر بضد تھیں۔ اس کے انکار پر انہوں نے شوہر سے کہا اور ابو کے کہنے کے بعد وہ کیسے انکار کرتی۔

کلینک پر امی اور ڈاکٹر کی باتیں سن کر اس کا سر چکرانے لگا اور جب اس کے ٹیسٹ کے بعد ڈاکٹر نے اسے اور سفینہ کو مبارک باد دی تو وہ ہونقوں کی طرح باری باری ان دونوں کو دیکھنے لگی۔

"میں ابھی بھابھی کو بتاتی ہوں۔" باہر نکلتے ہی سفینہ نے بیگ سے فون نکالا۔ اس نے ان کا ہاتھ تھاما۔

"نہیں امی۔"

"ارے کیوں؟" وہ حیران ہوئیں۔ اسے فوراً نہیں سمجھ میں آیا کیا کہہ کر روکے۔

"اچھا تم غفران بھائی اور سحبان کے آنے پر بتانا چاہ رہی ہو۔" وہ بہت خوش تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے، چلو۔" وہ مان گئیں۔ "تب ہی بتائیں گے۔"

ایک بار پھر اس کا ذہن سن تھا۔ کیا ہو رہا ہے، کیوں اور کیسے؟ آگے کیا؟ وہ سب سوچنا چاہ رہی تھی لیکن سوچ مفلوج تھی۔ گھر پہنچ کر امی سے صبر نہیں ہوا۔ انہوں نے شوہر کو بتا دیا۔ ابو نے گلے لگا کر دعائیں دیں تو وہ آنسو پی کر مسکرائی۔ اسے پہلی بار سمجھ میں آیا کہ دنیا میں ہمارا سب سے مضبوط سہارا

ہی ہماری سب سے بڑی کمزوری بھی ہوتا ہے۔
رات پھر وہ بار بار فون اٹھا کر دیکھتی رہی۔ جانے کس معجزے کی امید تھی اسے۔
صبح اس نے خوشنما کو فون کر کے باہر ملنے کو کہا۔ امی اس کے باہر جانے کا سن کر خوش نہیں تھیں۔
" اول اول کے دن ہیں، احتیاط اور آرام ضروری ہے۔"
" اتنے دنوں سے گھر میں ہے ثانی، جانے دو، جاؤ بیٹا، بس خیال رکھنا۔" ابو اس کی مدد کو ہمیشہ موجود تھے۔
کچھ دیر بعد وہ دونوں چرنی روڈ اسٹیشن پر اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی تھیں۔
" کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" اسے دیکھ کر خوشنما کو صدمہ ہوا تھا اور وہ خلافِ عادت، خلافِ معمول، خلافِ مزاج رونے لگی۔
" ارے۔ ثانی۔" اس نے اسے گلے لگایا۔ وہ اور شدت سے رونے لگی۔ خوشنما نے اسے رونے دیا۔ کچھ دیر بعد وہ سنبھل کر الگ ہوئی۔
" پتا نہیں کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ، مجھے لگ رہا ہے میں کسی اور کی زندگی جی رہی ہوں۔"
ایسا کیا ہو گیا آٹھ دس دن میں ثانی؟" اسے آخری پیپر کے دن والی اس کی گفتگو لفظ بہ لفظ یاد تھی۔"
اس نے کچھ نہیں چھپایا۔ اتنے دن سے چل رہی جنگ اس نے من وعن اس کے آگے رکھ دی۔
" ثانی!" خوشنما نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
" ضرور کوئی بات ہو گی جو یحیان بھائی نے کال اور میسج نہیں کیا، ہو سکتا ہے وہ کوئی سرپرائز دینا چاہ رہے ہو، ہو سکتا ہے جدائی اور ہجر کی ہوا سے محبت کی آگ بھڑکانے کا منصوبہ ہو ان کا۔" اس نے اس کے سارے خدشے، شک اور اندیشے ایک ساتھ رد کر دیے۔
" اتنے دن رکنے کا پلان ہی نہیں تھا اور اگر اتنے دن لگ رہے ہیں تب ایک میسج تو کرنا چاہیے دوسرے ہر وقت فون بند کیوں ہوتا ہے؟ کبھی لگ جائے تو ریسیو نہیں کرتا، گھر پر برابر کال ہو رہی ہے۔"
" اس بات پر تم آنے کے بعد جتنا جی چاہے اتنا لڑ لینا۔"
" نہیں خوشی، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا، مجھے بھی لگ رہا کہ یہ یحیان کا اصل روپ ہے اب تک جو تھا وہ میری غلط فہمی تھی۔ کہاں تو اتنی بے تابیاں اور پھر یہ خاموشی۔"
" یہ گھبراہٹ، وسوسے سب محبت کی نشانیاں ہیں بی بی۔"
" اور ایک بات۔ کل امی مجھے گائنیکولوجسٹ کے پاس لے گئی تھی اور وہاں۔" وہ سر جھکا کر بیگ کے اسٹریپ کو چھیڑنے لگی۔
" کیا۔؟" خوشنما کو چند پل لگے۔" کیا۔ سچ!" اس بار وہ زور سے چلائی۔" نالائق اب بتا رہی ہو۔" وہ پھر اس سے لپٹ گئی۔
" مبارک ہو تمہیں بھی اور مجھے بھی۔ ہاہاہا۔ خالہ بنوں گی میں۔" وہ جتنی پرجوش تھی ثانیہ اتنی ہی تھی۔
" ثانی! اب یہ نہ کہنا تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔" وہ اس سے الگ ہوئی۔
" یہ سب کیا ہو رہا خوشی؟ مجھے واقعی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، میں کچھ پروسس نہیں کر پا رہی ہوں۔ کہاں تو مجھے شادی ہی نہیں کرنا تھی، یہ سب تو میرے پلان نہ تھے، سب کچھ اتنی جلدی جلدی کیوں ہو رہا ہے؟"
" یہ سب تمہارے ہارمونز ہیں اور کچھ نہیں جو تم اتنی حساس اور زود رنج ہو رہی ہو، ریلیکس۔"
مخلص دوستوں سے گفتگو بھی کسی تھیراپی سے کم نہیں ہوتی۔ خوشنما اسے باور کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا وہ سوچ رہی ہے۔ وہ واپس گھر پہنچی تو بہت پرسکون تھی لیکن اس سکون کی

عمر بڑی مختصر تھی۔
اگلے دن صبح عذرا نے سفینہ کو فون کیا کہ آج سبحان اور غفران احمد کی واپسی ہے تو شام تک وہ بھی گھر آجائے۔ امی اس کی تیاریوں میں لگ گئیں۔ وہ اور ابو بھی ساتھ جانے والے تھے تاکہ خود سب کو خوش خبری سنائے۔

اس کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اب خوشما کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ سب ہارمونز کے سر ڈال کر زیادہ سوچ نہیں رہی تھی۔

"اب اٹھو بھی تین بج گئے۔" شیبا نے اس کے اوپر سے چادر ہٹائی۔

"کپڑے استری کر کے باتھ روم میں ٹانگ دیے ہیں، نہالو، ناشتا بھی نہیں کیا تم نے ابھی اور کچھ گھنٹوں میں ڈنر کا وقت ہو جائے گا۔"

"پہلے چائے دو مجھے۔" وہ اٹھ بیٹھی۔ "پھر جاتی ہوں۔"

"ابھی لائی۔"

اس نے پیر نیچے لٹکائے تبھی فون پر ایک ساتھ کئی پیغام موصول ہوئے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون اٹھایا۔ انجان نمبر سے موصول ہوئے پیغامات اسکرول کرتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ اس نے زور سے چیخنا چاہا لیکن اس کی آنکھیں خاموشی سے برسنے لگیں۔ وہ جیسے جیسے آگے دیکھ رہی تھی ویسے ویسے اس کی سانسیں دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپے اور فون ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے جھک کر فون اٹھانے کی کوشش کی لیکن زور سے چکر آیا اور وہ دھڑام سے نیچے گری۔ وہاں جگہ ہی کتنی تھی، اس کا سر میز سے ٹکرایا اور پیر کے دھکے سے کرسی اس کے اوپر آن گری۔ آواز اتنی زوردار تھی کہ سب ہی اس کے حجرے کی سمت دوڑے تھے۔

وہ ہوش میں آئی تو ہر سو خاموشی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ پلنگ پر تھی اور اس کے دائیں بائیں امی ابو اور شیبا کھڑے تھے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ابو نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔

"لیٹی رہو بیٹا۔" ابو کی آنکھیں نم تھیں۔

"ابو! کیا ہوا؟"

"تم بے ہوش ہو گئی تھی، اب اسپتال میں ہو۔" ابو نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

آنکھ کھلتے ہی اسے فون اور وہ اسکرین شاٹس یاد آگئے تھے اور پھر اپنا گرنا بھی۔ وہ تو ابو کی آنکھوں کی نمی کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی۔

"شیبا! تم تمہارے ابو کو لے کر گھر جاؤ۔" سفینہ نے کہا۔ "ثانی اب ہوش میں آگئی ہے، آپ پریشان نہ ہو۔ میں ہوں یہاں، بھابی لوگ بھی آتے ہوں گے۔" ان کی صحت کا خیال سفینہ کو ستا رہا تھا۔

"ان سے مل کر ہی جاؤں گا اب۔"

"انہیں کیوں بتایا؟" بھابی سے ان کی مراد عذرا ہے وہ سمجھ گئی تھی۔

"میں ڈاکٹر کو بتاتی ہوں کہ پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔" شیبا نے کہا اور ابو کا ہاتھ تھامے باہر نکل گئی۔ سفینہ پلنگ کے کنارے ٹک گئیں۔ ان تینوں کے رویے اسے کسی انہونی کے لیے تیار کر چکے تھے۔

جب سفینہ نے بتایا کہ اس چھوٹے سے حادثے میں چند دن قبل ملی خوشی اس سے چھن گئی ہے تو اس کے اندر کوئی ردعمل نہیں ابھرا۔ وہ خالی نظروں سے ماں کو دیکھتی رہی۔ تبھی نرس اندر آئی۔ وہ اسے سمجھاتی اور تسلی دیتی رہی ساتھ ہی آگے کیا ہوگا بھی کہتی رہی لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں تھا۔ نرس کے پوچھنے پر وہ بس سر ہلا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سونوگرافی ہوئی اور اس کے مطابق اسے 'ڈی اینڈ سی' کی ضرورت تھی۔ وہ بھوکی پیاسی ہی تھی اس لیے کچھ دیر بعد اسے آپریشن روم میں لے جایا گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو سارا کمرا بھرا تھا اور سب سے پہلے اس ظالم کا چہرہ نظر آیا جو اس کے پلنگ کی پائنتی کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر

لیں۔
عذرا، چاچا جان، نصرہ سب نے باری باری اس کے قریب آ کر تسلی اور پیار دیا۔ ذرا دیر بعد وہ سب ان دونوں کو تنہا چھوڑ کر باہر چلے گئے۔
وہ قریب آیا اور اس نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامنے جا رہا تھا کہ ثانیہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ سحبان نے الجھ کر اسے دیکھا جس نے ابھی تک دوسری نظر اس پر نہیں ڈالی تھی۔
"ثانو!"
"پلیز چلے جاؤ۔" وہ اس کی طرف پیٹھ کرنا چاہتی تھی لیکن نہیں کر سکی۔ اس کے لہجے میں نفرت، چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں درد تھا اور سحبان کو درد کے علاوہ باقی دو کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔
"ثانو!"
"مجھے تمہاری آواز اور موجودگی سے وحشت ہو رہی ہے، جاؤ پلیز۔"
"ثانو تم۔" اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرنا چاہا اور ثانیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ آواز سننا چاہتی ہوں یہاں سے جاؤ۔" وہ یونہی گردن دوسری طرف کیے رو رہی تھی۔
"اوکے۔ ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں لیکن تم روؤ نہیں پلیز۔" کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے وہ کتنی ہی دیر دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا جس نے اس کے باہر نکلنے تک رخ دوسری طرف ہی رکھا تھا۔
اگلی صبح وہ گھر آ گئی۔ سب اس کی دل جوئی میں لگے تھے۔ اب اس کی بھیگی پلکوں کی وجہ تھی اس لیے وہ بے دھڑک آنسو بہا رہی تھی جب کہ حقیقت یہ تھی کہ یہ اچانک ملی خوشی اس کا دل کھلا سکی تھی نہ اس کے چھن جانے کا دکھ ہی دل کی گہرائی میں اترا تھا۔ بس ایک افسوس سا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا حادثہ سب ہی غیر متوقع اور گمان سے پرے کے تھے۔ گھر آ کر اس نے سب سے پہلے اپنا فون مانگ کر خوشنما سے بات کی۔ وہ گھر پہنچی اور کچھ وقت بعد ہی بشریٰ اور یسریٰ آپا دونوں آ گئیں۔
یسریٰ اسکول سے کچھ دیر کی چھٹی لے کر آئی تھی سو وہ جلد ہی چلی گئی۔ بشریٰ آپا شام تک رکنے کا عندیہ دے چکی تھی۔ دوپہر میں خوشنما آ گئی۔
"یہ سب کیسے؟" اس نے اسے گلے لگایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"بس ثانی، طبیعت مزید بگڑ جائے گی۔" اس نے اسے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے۔
"اللہ کی چیز تھی اس نے دی تھی اور لے بھی لی۔ اس کے فیصلے، اس کی مصلحت، ہم بس صبر کر سکتے ہیں۔" اس نے سر ہلایا۔
وہ اسے موصول ہوئے سارے پیغام بتانے دکھانے کو بے چین تھی لیکن اب جب وہ سامنے موجود تھی، وہ فون اس کے سامنے کرنے کو سے جھجک رہی تھی۔ اپنی بے وقعتی کسی کو دکھانے کی یہ جھجک اس لیے بھی تھی کہ اس نے خود کو بہت، بہت ہی اہم مان لیا تھا اور اب اپنی بے وقوفی پر حد درجہ نادم تھی کہ کسی نے اسے استعمال کیا تو اس میں زیادہ قصور اور کمزوری اس کی اپنی تھی۔ خوشنما چلی گئی لیکن وہ اسے نہ دکھا سکی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے خوشنما سے کچھ چھپایا تھا۔ اندر والی ثانی کے لیے اپنے پندار سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔ وہ عزیز از جان سہیلی اور زار داں کے سامنے بھی وہ اپنی نفی اور جذبات کی بے قدری کے دکھ میں رونا نہیں چاہتی تھی۔
اگلے دو دنوں میں خوشنما کی مصلحت والی بات نے اس کی سوچ کو نیا رخ دے دیا تھا۔ اس نے مان لیا کہ یہ اسی لیے ہوا ہے کہ اس رشتے کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ یہ آگے بڑھنے کے بجائے یہیں رکنے کا اشارہ ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا وہ یہ معاملہ یہیں ختم کر دے گی۔ وہ پر یقین تھی کہ ابو اس کی بات سمجھیں گے، اس کی غلطی معاف کر دیں گے اور چاچا جان کو بھی سنبھال لیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ان دونوں کے تعلقات میں دراڑ پڑ سکتی تھی جس کے لیے وہ

digestlibrary.com

پچھتانے کو تیار تھی کہ یہ تعلق بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگانا بھی عقل مندی نہیں تھی۔ اس کے اندر والی ثانی پورے کروفر سے سحبان کو ٹھکرانے کے لیے تیار تھی اور یہ فیصلہ اسے اس کے منہ پر مارنا تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اس کے رد کرنے، مزید دھوکا دینے، بے وقوف بنانے اور بلیک میل کرنے کا انتظار نہیں کرے گی۔ ابو سے بات کرے گی اور وہ ہی غفران احمد اور باقیوں سے بات کرلیں گے۔

"ثانی بیٹا!"

"جی ابو۔"

"آؤ ذرا دھر۔" انہوں نے اسے ہال میں بلایا۔

"جی۔" وہ فوراً ان کے مقابل پہنچ گئی۔

"بیٹھو۔" انہوں نے اسے اپنے بازو میں بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گئی۔

"اب طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"جی ابو۔"

"الحمدللہ! ابھی غفران کا فون آیا تھا وہ تمہیں لینے آرہا ہے۔"

"ارے، آپ نے کہا نہیں کہ کچھ دن رہنے دیں ابھی یہاں۔" باورچی خانے سے سفینہ نے آواز لگائی۔

"بھئی اب ثانی ہمارے یہاں مہمان ہے، اس کا اصل گھر تو وہی ہے اور مجھے یقین ہے وہ وہاں زیادہ آرام سے رہے گی۔" وہ مسکرائے۔

"بیٹا، مجھے سب سے زیادہ تمہاری فکر تھی، تم میری سب بیٹیوں سے مختلف ہو، تمہارے مزاج کے مطابق خاندان ڈھونڈنا مجھے تو ناممکن سا لگتا تھا لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس نے گھر بیٹھے ہی اتنا اچھا رشتہ بھیج دیا۔"

ان کی آنکھوں میں اطمینان کے یہ جگنو اس نے بہت کم دیکھے تھے۔

"تمہاری تعلیم میں کوئی رکاوٹ ہے نہ دوسری بندشیں۔ مجھے تمہاری طرف سے کوئی فکر نہیں کہ غفران کے گھر میں تم اپنے ہی گھر میں ہو بلکہ یہاں سے زیادہ آرام اور آسائش میں ہو، تمہاری زندگی سے میں بہت مطمئن اور خوش ہوں۔"

بیٹیوں کے لیے ہمیشہ فکرمند اور پریشان ابو کی زبان سے ادا ہونے والے ان پرمسرت الفاظ پر اندر والی ثانی یوں گری تھی مانو اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ انا، خودداری اور اپنا پندار عزیز رکھنے والی ثانی کی ساری اکڑ باپ کے مان اور محبت سے تھی اور اب بھی اسے زمین بوس کر گئے تھے۔ اس نے اپنی پہلی اکلوتی محبت اور دوست کے مقابل انا کو ترجیح دی تھی جواب باپ کے آگے ایک لمحے کے توقف بنا قربان کردی۔ باپ سے محبت کرنے والی بیٹیوں کے لیے زیادہ متبادل نہیں ہوتے اس لیے فیصلے بھی آسان ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی قربانی باپ کی خواہش اور خوشی سے بڑی نہیں ہوتی۔

"یہ حادثہ بھی آزمائش ہے اسے دل پر نہ لو، وقت کا مرہم اس زخم کو جلد مندمل کردے گا اور پھر سحبان، غفران اور ہم سب ہیں ناں۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کا آنسو ٹوٹ کر ان کے ہاتھ کی پشت پر گرا۔

"حوصلہ رکھو بیٹا۔" انہوں نے انگشتِ شہادت سے اس کا گال خشک کیا اور وہ ان کے سینے سے جا لگی۔

"ایسے روتے نہیں بیٹا، حوصلہ رکھو۔" وہ اس کا سر تھپتھپاتے رہے۔

کچھ دیر بعد وہ غفران احمد، نصرہ اور سحبان کے ساتھ واپس ہو رہی تھی۔

اور اب سحبان کا فون دیکھتے ہوئے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ان دونوں نے ایک آدھ بار چند الفاظ کے علاوہ کبھی واٹس ایپ پر لمبی چوڑی گفتگو نہیں کی تھی۔ سحبان کے فون میں اس کا نہیں بلکہ کوئی اور نمبر اس کے نام سے محفوظ تھا اور اس کا نمبر سحبان کے فون میں تھا ہی نہیں۔ یہاں سے جانے کے بعد سے جس دن وہ آیا اس دن صبح تک کے پیغام اس

نمبر پر دیکھے گئے تھے۔ اس کے بعد کے ڈلیور ہی نہیں ہوئے تھے۔ نمبر بند تھا۔ یہ وہ ہی نمبر تھا جس سے اسے اسکرین شاٹس بھیجے گئے تھے۔ اس نے وہ اسکرین شاٹس اور سحبان کے فون کی چیٹ آمنے سامنے رکھ کر دیکھی۔ اسے جو اسکرین شاٹس موصول ہوئے تھے وہ مکمل نہیں تھے۔ جہاں سحبان نے اس کا نام لیا تھا یا اندازہ ہوتا کہ وہ ثانیہ سے مخاطب ہے، وہ غائب تھے۔ اس کے باوجود اس طرح سے پیش کیے گئے تھے کہ اسے اس کی کسی اور سے گفتگو ظاہر کر رہے تھے۔ وہ کتنی دیر سر پکڑے بیٹھی رہی۔ سب سے زیادہ خطرناک بات تھی کہ کوئی اسے اس قدر جانتا تھا کہ اسی کے انداز میں جواب دیے تھے۔ سحبان کو بھی اس لیے شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ایک ہی شخص کا شکار بنے تھے۔ وہ اتنا کامیاب تھا کہ ان غلط فہمیوں اور دکھ کی شدت نے اس سے الگ ہونے کا فیصلہ کروا لیا تھا۔ وہ بے قراری سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

"یہ جو بھی ہے وہ یہ ہی چاہتا تھا۔" وہ اب سحبان سے بات کرنے بے چین تھی جو اپنا فون بھی اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ انتظار کرتے ہوئے اس کی سرپرائز والی بات یاد آئی تو اس نے الماری کھول کر اوپر کا خانہ کھنگالا اور بڑے دن بعد وہ سب کچھ دیکھ کر وہ دل سے مسکرائی۔

راستوں پر بائیک اور دماغ دوڑا دوڑا کر جب وہ تھک گیا تو اس نے گھر کا رخ کیا۔ سولہویں فلور پر لفٹ سے نکل کر وہ سیڑھیوں سے اوپر اپنی منزل پر آیا۔ فون پاس نہیں تھا اور کلائی پر گھڑی کی عادت نہ تھی اس لیے وقت کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ ثانیہ جو اس کی کرسی پر بیٹھی تھی، آہٹ پر کھڑی ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی سحبان کے تنے اعصاب، الجھا ذہن، بکھرے خیالات سب پل بھر میں پرسکون ہو گئے۔ وہ اسی روپ میں سامنے موجود تھی جس کا اس نے تصور کیا تھا۔ سرخ ساڑی زیب تن کیے، ہیئر اسٹک سے آزاد بال اور جھمکوں اور چوڑیوں سے بجی سنوری۔ اس نے میک اپ نہیں کیا تھا بلکہ چہرہ روتے رہنے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ ذرا سا آگے آئی تھی کہ سحبان اس کے مقابل پہنچ گیا۔

"سحبان! کسی نے ہمارے بیچ بس انڈر راسٹ..."

"ششششش!" سحبان کے ہاتھ اس کے عارضوں پر ٹھہر گئے۔

"ابھی نہیں۔" اس نے اسے خود میں سمیٹا۔

"ثانو! میں نے پہلی بار محسوس کیا جسم کے ایک ایک سیل سے جان کیسے نکلتی ہے اور پھر بار بار اس اذیت سے گزرنا کیسا ہوتا ہے، آئندہ اپنے ہاتھوں سے قتل کر دینا مگر اس طرح بدگمان اور ناراض نہ ہونا پلیز۔" اس کے بازوؤں میں ثانیہ کو رونا آ گیا۔

"سوری۔" آنسوؤں کے درمیان اس نے دیر نہیں کی۔

"کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم سوری کہو گی اور مجھے خوشی نہیں ہو گی۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ ثانیہ کے رونے میں روانی آ گئی۔

"ویسے آج پہلی بار لگا کہ ذرا سی رومانٹک تو ہو۔" چند پل بعد سحبان نے حلقہ آغوش تنگ کیا اور ثانیہ نے اس کی پشت پر مکا مارا۔

"یہ تو پہلی ملاقات سے علم ہے کہ تم وائلیٹ ہو۔" ثانیہ نے مزید مظاہرے سے خود کو بمشکل باز رکھا۔

کچھ وقت بعد وہ پلنگ کے کنارے بیٹھی تھی اور اس کے مقابل ریوالونگ چیئر پر سحبان تھا۔

"کیسا لگا میرا سرپرائز؟" اس کے ہاتھ سحبان کی گرفت میں تھے۔

"یہ بڑا سرپرائز تھا کہ تم نے بھی سارا 'اِ کے' دیکھا ہے۔" مطلع صاف ہوتے ہی وہ اپنی جون میں لوٹ آئی تھی۔

"ہاہاہا۔ نہیں، کیسی ریڈ ساڑھی لوں، یہ دیکھنے کے لیے یوٹیوب پر اپنی آنکھیں پھوڑی تھیں، اتنے ڈھیر سارے اوپی سوڈ فاسٹ فارورڈ میں دیکھ کر۔

"سرخ ساڑی کی تعریفیں بھی اس نے خوشنما اور اس کی فون پر بات میں سنی تھی۔
"ویسے یہ تھوڑا کم سرپرائز ہے کہ تم میری باتیں سنتے ہو۔ اور اس کی وجہ؟"
"اب بنو نہیں۔" سحبان ہنس دیا۔
"ویسے تمہاری چوائس اچھی ہے۔" اس نے کان میں جھولتے جھمکے کو ہاتھ لگایا۔ "آنکھیں بند کر کے تم سے شاپنگ کروائی جاسکتی ہے۔"
"بالکل نہیں! بہت خوار ہونے والا کام ہے، میں نے کیسی کیسی نظریں جھیلی ہیں تمہیں اندازہ بھی نہیں۔" وہ ہنس دی۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد ثانیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"کیا بات ہوئی گھر میں جو مجھے نہیں پتا؟"
سحبان نے اسے ساری روداد سنائی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے اسے تکتی رہی۔
"اتنا سب ہو گیا اور کسی نے کچھ نہیں بتایا مجھے۔"
"تم اتنی بڑی ٹریجڈی سے گزری ہو، کوئی کیسے۔" وہ رک گیا۔
پہلی بار ان کے بیچ گمبھیر سی خاموشی آن بیٹھی۔ شادی شدہ زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری اور سب سے بڑا نقصان وہ بڑے مختصر وقت میں جھیل چکے تھے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہونے کے بعد یہ دونوں حقائق اس وقت ایک ساتھ ان پر منکشف ہوئے۔ بند لفافوں میں قید نومولود احساسات اور جذبات ایک ایک کر کے سارے کھل گئے۔ ثانیہ کے آنسو گرنے لگے اور سحبان نے آگے جھک کر اسے گلے لگایا۔
"سوری! میں اس وقت تمہارے ساتھ، تمہارے پاس نہیں تھا۔" ثانیہ خاموشی سے آنسو پیتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ اس سے الگ ہوئی تو سحبان نے کہا۔
"قسمت میں یونہی لکھا تھا ثانو۔" اس نے تائید میں سر ہلایا۔
"ان شاء اللہ ہم ایسی خوشیاں پھر جلد دیکھیں گے۔" اس نے کہا اور ایک نرم سی مسکراہٹ ثانیہ کے چہرے پر پھیل گئی۔
"لیکن ان سب باتوں کا کیا سحبان؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔
"یہ مکمل منصوبے کے تحت ہوا ہے، اتنا سب کون کر سکتا ہے؟"
"یہ اسی نے کیا ہے جسے اسٹارٹ ٹو اینڈ سب کچھ پتا ہے یا جسے شک ہوا ہو۔" سحبان نے کہا
"اور جو مجھے اس گھر میں، اس حیثیت سے دیکھنا نہیں چاہتا۔" اس نے اضافہ کیا۔
ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے وہ دونوں ایک دم خاموش ہو گئے۔ اس خاموشی میں ان کے ٹوٹتے اعتماد اور ڈوبتے تعلق کا خوف چیخ رہا تھا۔
"لیکن کسے سب کچھ معلوم ہے؟"
"ہماری شادی کی حقیقت سب کو بتانے کی سازش، ہم دونوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش، ایسی غلط فہمی جو ہمیں الگ کر دے، کون کر سکتا ہے؟ وہ جو مجھ سے شادی کی امیدوار تھے اور وہ جوان امیدواروں کے ساتھ تھے طروبہ، پھوپھو، مزنہ یا۔ بھابھی؟" آخر میں سحبان کی آواز کانپ گئی تھی۔
"یا خوشنما؟" بمشکل اس کے لب ہلے اور آنکھیں بھر آئیں۔ یہ تصور، یہ خیال ہی جاں بلب تھا۔ ان سارے ناموں میں وہ واحد تھی جو سارے حالات، ہر چھوٹی اور معمولی تفصیل کے ساتھ جانتی تھی۔ اپنی رازدار کو سب کچھ خود اسی نے بتایا تھا۔
دونوں کی دل عزیز ہستیاں اس ممکنہ مجرم کی فہرست میں تھیں۔ یہ تو مصدقہ حقیقت کہ ان میں سے کوئی ایک تعلق اور رشتہ مصنوعی، جھوٹا اور پرفریب ہے لیکن سوال اب بھی جوں کا توں تھا۔ کون ہے وہ؟
"پھوپھو نے بتایا نہیں انہیں کس نے خبر دی تھی؟"
"نہیں، امی نے بہت پوچھا لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا، وہ شرمندہ بھی بہت تھیں اس لیے امی

نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔"

"میں بھابھی سے پوچھوں؟"

"ثانو! کس پر یقین کریں کس پر نہیں، بالکل سمجھ میں نہیں آرہا اس لیے یہ پہیلی ہم ہی حل کرتے ہیں۔"

"ہممم۔"

"میرے فون سے تمہارا نمبر ڈیلیٹ کرنے، دوسرا نمبر تمہارے نام اور سیم پروفائل پکچر کے ساتھ سیو کرنے کے لیے کسی نے میرا فون ایکسیس کیا ہے جبکہ میرے فون میں فنگر اسکینر اور پیٹرن لاک لگا ہے، میں نے فون کہیں ریپئر کے لیے دیا نہ ہی کسی کو کچھ دیکھنے یا بتانے کے لیے۔"

"ہیک تو نہیں کیا کسی نے؟"

"نہیں۔"

"پھر۔ کسی کو پیٹرن کا علم ہے؟" اس کی بات پر وہ چونک گیا۔

"کیا؟" اس کا متغیر چہرہ دیکھ کر اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"گیم کھیلنے کے لیے میں نے شاید حاذق کو بتایا تھا کبھی۔ لیکن اسے اب تک یاد ہوگا؟"

"ہوگا بھی تو۔"

"مطلب یہ۔"

"ابھی کچھ نہ سوچو، حاذق سے کوئی بھی اگلوا سکتا ہے۔" جس طرف قیاس اشارہ کر رہے تھے وہ قبول کرنا آسان نہ تھا۔

"یہ نمبر جس ٹیلی کام کمپنی کا ہے اس کے سروس سینٹر میں منیب کا کزن جاب کرتا ہے میں پتا کرتا ہوں یہ نمبر کس کے نام پر ہے۔" اس کے ممبئی پہنچنے کے بعد سے وہ نمبر مسلسل بند تھا۔

"ہمم۔" سحبان نے اس کے پرسوچ چہرے کو بغور دیکھا۔ گھر اور رشتوں میں کوئی ایک غدار ہے، یہ معمولی بات نہ تھی لیکن ان دونوں کے بیچ اب سب واضح اور صاف تھا اور اس سچائی نے اس بدصورت حقیقت کا بوجھ کم کر دیا تھا۔ ذہن و دل۔ ہلکے پھلکے تھے۔

"ثانو!"

"ہاں۔" وہ چوڑیوں پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"تمہارے پیپرز کے دن ان سب کے لیے تو نہیں گن رہا تھا میں!" وہ تھم گئی پھر اگلے پل اس نے آہستہ سے پلنگ سے اٹھنا چاہا۔

"میں چینج کرلوں، سب پہن کر تو سو نہیں سکتی۔"

"بات بدلنے کے فراق میں وہ بات 'ٹو دی پوائنٹ' کہہ گئی۔ غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ کھڑی ہوئی۔

"چہ۔ اتنے سیریل دیکھ کر بھی ایسی ہی رہیں۔" سحبان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"تم سے بہتر تو ایکشن فلمیں دیکھنے والا میں ہوں۔"

"کیسے؟" ثانیہ پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن سحبان گفتگو کے موڈ میں نہیں تھا۔ جواب بہرحال ثانیہ کو مل گیا۔

سحبان کو ڈر تھا مجرم کہیں نُضرہ نہ ہو اور خوشنما کا خیال اس کا دل چیر رہا تھا۔ خوشنما کے لیے سحبان کے موبائل کا تصرف مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ تو کیا یہ دو افراد کی ملی بھگت تھی؟ اور کیوں؟ نُضرہ کے پاس وجہ تھی کہ اسے اپنی بہن کو دیورانی بنانا تھا لیکن خوشنما۔ وہ کیوں کرنے گی ایسا؟ وہ جلد سے جلد یہ معمہ حل کرنا چاہ رہی تھی۔ اس دوران اس نے خوشنما کا فون بھی نہیں اٹھایا۔

وہ اندر آئی تب ماہین باہر نکل رہی تھی اور صوفے پر بیٹھی نُضرہ کا چہرہ تنا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" شاذ ہی نُضرہ کا مزاج بگڑتا تھا۔

"اسے اچانک ہی گاؤں جانا ہے۔"

"تو جانے دیں، کچھ دن رہ آئے گی۔"

"وہ ہمیشہ کے لیے جانے کا کہہ رہی ہے۔"

"ہمیشہ کے لیے کیوں؟"

"ماں کے پاس رہنا ہے، یہاں دل نہیں لگتا اب۔"

"وہ چپ چپ بھی رہتی ہے بہت۔"

digestlibrary.com

"دو سالوں سے رہ رہی ہے، اب اچانک دل نہیں لگ رہا، اتنا جمع کر لیا ہے کہ آرام چاہیے، اونہہ۔" ان کا یہ شدید ردعمل اسے حیران کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس کی امی یا بہن بھائی دباؤ ڈال رہے ہوں اور اسے واقعی یاد بھی آتی ہو۔"

"سچ تو یہ ہے کہ مطلب پورا ہوتے ہی لوگ بدل جاتے ہیں۔" وہ چپ رہی۔

"جانا ہے تو جائے، لیکن وہ دوسرا انتظام ہونے تک بھی رکنے تیار نہیں۔ کل وقتی ملازمہ اتنی آسانی سے کہاں ملتی ہے، گاؤں سے ہی کسی کو بلانا پڑے گا۔" "ہمم۔"

سارا دن یہ واقعہ سوچ سوچ کر وہ کسی نتیجے پر پہنچنے لگی تھی۔ یہ شدید ردعمل کسی اور وجہ سے تو نہیں؟ پچھلی گزری باتوں کو نئی روشنی میں دیکھنے پر اس کا شک پختہ ہونے لگا۔

اس نے فون کر کے سحبان کو فوراً بلایا اور اسے لے کر اس کے کمرے میں آئی۔ وہ اس وقت گھر میں نہیں تھی۔

"یہ دیکھو۔" اس کمرے میں بالکنی نہیں تھی۔ عام سی کھڑکی تھی۔ ثانیہ نے اس کی جالیوں کی سمت اشارہ کیا۔

"رات کی خاموشی میں اُدھر بالکنی میں ہو رہی گفتگو اس کمرے میں با آسانی سنی جا سکتی ہے اور فون پر میری اور خوشی کی باتوں سے سب جان لینا کچھ مشکل نہیں۔ میں نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی کہ بالکنی میں ہو رہی باتیں بغل میں سنی بھی جا سکتی ہیں، ہو سکتا ہے وہ فون بھی یہیں مل جائے۔" وہ چیزیں ادھر ادھر کرنے لگی۔ سحبان نے پہلی بار اسے اس قدر غصے میں دیکھا۔

کچھ دیر کی تلاش کے بعد ایک سوٹ کیس میں کپڑوں کے درمیان دبا سیمسنگ کا پرانا انڈرائیڈ ماڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔ سحبان نے سوئچ آن کیا۔ سحبان کا نمبر بلاک تھا اور واٹس ایپ چیٹ میں ان کی ساری گفتگو موجود تھی۔ ثانیہ کو بھیجے گئے اسکرین شاٹس بھی تھے۔ ان بلاک کرنے کے بعد اس نے اپنے فون سے کال لگائی اور اس فون کی رنگ ہونے لگی۔

اپنے کمرے میں پلنگ پر فون رکھے وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"ثانو! ہمیں یہ پبلک کرنے کے ساتھ شادی کی سچائی بھی بتانا پڑے گی۔"

"ہم نے غلطی تو کی ناں، اب جو بھی ہو۔" اسے بھی اندازہ تھا کہ اب یہ ناگزیر ہے۔

"ابا مار ڈالیں گے مجھے۔" وہ کراہا۔

"ایسا بھی نہیں اب۔ ہاں سب ناراض ضرور ہوں گے، ہمیں بڑی محنت کرنا پڑے گی انہیں باور کرانے اور منانے کے لیے کہ اب سب ٹھیک ہے۔"

"ہمم۔"

"میں انہیں لے آتی ہوں۔" وہ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر بعد وہ نُصرہ کا ہاتھ کھینچتی کمرے میں آئی اور پیچھے دروازہ بند کر لیا۔

"ارے کیا ہوا اب بتا بھی دو!" نُصرہ نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ "اتنا کیا سسپنس پھیلایا ہے۔"

ایک گہری سانس لے کر سحبان نے کہنا شروع کیا اور جب وہ رکا تو نُصرہ کا چہرہ متغیر تھا۔ وہ تھکی تھکی سی پیچھے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھول کر ماہین اندر آئی۔ ان تینوں کو اپنی سمت دیکھتا پا کر وہ رک گئی۔ نُصرہ اپنی جگہ سے اٹھی، سحبان کے ہاتھ سے وہ پرانا فون لیا اور ماہین کے مقابل آ کر رک گئی۔

"اس کا جواب اور وجہ؟" اس نے فون اس کی چہرے کے آگے نچا کر پوچھا۔ ماہین کا چہرہ سپاٹ لیکن آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

☆☆☆

دو سال قبل غفران احمد گاؤں میں اس کے گھر

ملنے آئے تو اماں کی فریاد، رشتہ داروں سے سنی ان کی روداد اور خود ان کا خستہ حال دیکھ کر انہوں نے اماں کے سامنے تجویز رکھی۔ اماں تو فوراً تیار ہوگئی لیکن اس کا دل نہیں تھا۔ اتنی دور، اجنبی شہر میں اپنوں سے دور گھر کی ماسی بن کر رہنے وہ تیار نہ تھی۔ لیکن اماں نے قسمیں، طعنے، محبت اور یقین دہانی کہ بس کچھ دن جب تک بڑے بھائی خالد کی نوکری نہیں لگ جاتی، پھر وہ اسے بلا لے گی۔ اسے دل پر پتھر رکھ کر آنا پڑا۔

اس نے جیسا سوچا تھا یہاں ویسا کچھ نہ تھا۔ سب نرم خو تھے، کوئی حکم چلا کر بات نہیں کرتا تھا۔ اس کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اسے الگ تھلگ چھوٹا سا کمرا بھی دیا گیا تھا۔ جب پہلی بار اماں نے فون کر کے بتایا کہ غفران احمد نے اس کی اتنی تنخواہ بھیجی ہے تو اسے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ دن اچھے گزر رہے تھے۔ وہ مطمئن تھی۔

رشتے داروں اور ملنے جلنے والوں کی باتیں اس کے کان میں بھی پڑتی تھیں۔ سب کی زبان پر غفران احمد اور گھر والوں کے لیے تعریفیں ہوتی تھیں۔

ماہین کو تو بالکل گھر کے فرد جیسا رکھتے ہی آپ۔"

" لگتا ہی نہیں یہ ملازمہ ہے۔"

بہت بڑا دل ہے آپ سب کا، ماشاء اللہ!"

" آج کے زمانے میں کون کرتا ہے ایسا۔"

" بہت نیک اور کارِ ثواب کر رہے ہیں۔"

" آپ جیسے لوگ اب ناپید ہیں۔"

اسے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتی۔ سحبان کی شادی کا قضیہ وہ بھی جانتی تھی۔ ' گھر کا فرد ' کا خطاب ملنے کے باوجود اسے خاندان کی لڑکیوں اور اپنے درمیان کے فرق کا اچھی طرح احساس تھا۔ ان کے رنگے بالوں سے لے کر برانڈڈ کپڑے، جوتے، میک اپ سب یہ فرق اور اسے اپنا صحیح مقام کبھی بھولنے نہیں دیتے تھے۔ 'اسٹیٹس' کا فرق تو ان کی اکڑی چال سے بھی سمجھ میں آتا تھا۔ وہ بظاہر ان باتوں سے لاتعلق رہی اور شعوری طور پر اس بات سے بے خبر تھی کہ سب کی باتیں بڑے غیر محسوس طریقے سے اس کے دل و دماغ پر نقش چھوڑ رہی ہیں۔

پہلی بار اس کے دل میں منفی خیال ثانیہ کو دیکھ کر آیا۔ وہ عذرا اور نصرہ کے ساتھ کچھ سامان لے کر اس کے گھر آئی تھی۔ ثانیہ بھی کالج سے لوٹی تھی۔ وہ عبایا اتار کر ان کے درمیان آ بیٹھی۔ وہ دونوں قبول صورت اور پر کشش تھیں۔ کائن کا سادہ سا جوڑا، پیچھے بندھے سیاہ بال، کان میں بالیاں اور خالی ہاتھ۔ وہ اس سے مختلف نہ تھی۔ ان کا حلیہ کم و بیش ایک سا تھا، اس کے چھوٹے سے بھرے بھرے گھر سے بڑا گاؤں میں اس کا صحن تھا اور وہی بڑا سا خاندان۔

" اس میں اور مجھ میں کیا فرق ہے؟ " اسے خیال آیا۔

" میں اس گھر کی ملازمہ ہوں۔ " یہی جواب تھا اور اس کے بعد ثانیہ سے موازنہ شروع ہوگیا۔

اس کے بعد سب کی ' گھر کا فرد ' قسم کی باتیں اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے لگیں۔ شادی کا گھر تھا تو جتنے مہمان اتنے زیادہ اس قسم کے جملے۔ اس کے جواب میں گھر والوں کا مسکرا کر، سر ہلا کر بنا کچھ کہے تائید کرنا کہ ہاں بھئی ایسا ہی ہے، اسے کھلنے لگا۔ وہ متضاد جذبات میں گھرنے لگتی۔ اسے گھر کا فرد کہا جاتا ہے مانا نہیں جاتا اور اس جھوٹ پر لوگوں سے تعریفیں سمیٹی جاتی ہیں۔ اسے نہ آس پاس کی وہ باتیں اچھی لگتی تھیں نہ ہی وہ سن کر اپنا بے آرام ہونا اور غصہ آنا۔ خود سے چل رہی یہ جنگ یک طرفہ ہوگئی جب اس نے ثانیہ کی باتوں سے سب جان لیا۔ اسے اب رات میں نیند نہیں آتی تھی۔ اس کی ساری توجہ بازو والے کمرے کی طرف ہوتی۔ ایسے ہی رتجگوں کے دوران وہ ان دونوں کا راز پا گئی۔ ثانیہ کو اتنا اعتماد اور پیار مل رہا تھا اور بدلے میں وہ سب کو دھوکا دے رہی تھی۔ وہ تو ایسا کبھی نہ کرتی۔ اسے گھر کا فرد صرف کہا جاتا ہو لیکن وہ تو خود کو ان کا حصہ مانتی تھی۔ اسے ثانیہ

سے نفرت ہونے لگی۔ اس دوغلی اور پرفریب شخصیت پر سب کا فریفتہ ہونا زہر لگنے لگا۔ وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ ان سب کے اعتماد اور پیار کے قابل وہ ہے، ثانیہ نہیں۔

وہ بہت توجہ سے اس کا مشاہدہ کرتی، اس کی ہر بات اور حرکت نوٹ کرتی۔ اس نے کئی منصوبے بنائے، کئی باتیں سوچیں مگر عمل کرنے سے پہلے اسے ثبوت چاہیے تھے۔ اس نے خوشنما اور ثانیہ کی باتیں ریکارڈ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ملی۔ گزرتے وقت کے ساتھ اس کا صبر بھی ختم ہوتا جارہا تھا۔ سحبان نے جب حاذق کو پاس ورڈ بتایا وہ وہیں ہال میں موجود تھی۔ اس نے باتوں باتوں میں وہ اس سے اگلوالیا تھا۔ تب اسے نہیں پتا تھا وہ اس کا کیا کرے گی۔ گاؤں جانے والے دن غفران احمد نے اسے سحبان کو بلانے کو کہا۔ وہ عموماً دروازے سے پیغام دے کر پلٹ جاتی تھی لیکن اس دن سحبان غسل خانے میں تھا۔ کمرا خالی اور فون میز پر دیکھ کر ذہن نے فوراً سب سوچ لیا۔ ثانیہ کی پروفائل پکچر محفوظ کر کے اس نے اس کا نمبر ڈیلیٹ کیا وہ جانتی تھی سحبان غیر محفوظ اور انجان نمبر کی کال نہیں اٹھاتا ہے۔ وہ اس کی جگہ اپنا نمبر نہیں لکھ سکتی تھی۔ اسے ملازمہ کی بیٹی کا فون نمبر یاد تھا اس نے ثانو کے نام سے وہ نمبر محفوظ کر دیا۔ ملازمہ اس وقت گھر میں موجود تھی۔ بڑی مشکلوں سے نظر بچا کر اس کا فون وہ اپنے کمرے میں لے آئی۔ اسے صرف سم کارڈ یا واٹس ایپ کی ضرورت تھی۔ فون یا اس میں سے سم کارڈ نکال کر اپنے پاس رکھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اس کا ذہن کبھی اتنا تیز نہ چلا جتنا اس دن بھاگ رہا تھا۔

اس نے اپنا پرانا سم کارڈ جو بے کار ہو چکا تھا، اس فون میں ڈالا اور فون پانی سے ڈبو کر اسے واپس کر دیا کہ فون فلاں جگہ پانی میں پڑا تھا۔ بھلا ہوا کہ ملازمہ موجودہ کمپنی کی خدمات سے خوش نہ تھی اسے سروس پرووائنڈر بدلنا تھا۔ اس لیے اس نے ڈپلیکیٹ سم یا اسی نمبر کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کا جھنجٹ نہ پالا اور اگلے دن نیا سم خرید کر نمبر تبدیل کر لیا۔ اسے لگتا تھا یہ بات سب کے سامنے کہہ بھی دی تو وہ دونوں کسی بھی طرح بات سنبھال لیں گے کیوں کہ جو چل رہا تھا اس سے دونوں کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ ان کا آپسی تال میل اور بڑھتی دلچسپی اور قربت وہ دیکھ رہی تھی۔ اسے پہلے وہ ختم کرنا تھا۔ ان میں اختلاف کے بعد باقی معاملہ آسان ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ سحبان سے اس طرح بات کرے گی۔ وہ ثانیہ بن کر اسے غصہ دلانا چاہتی تھی۔ کچھ ایسا کہنا اور کرنا چاہتی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے متنفر ہو جائیں لیکن سحبان کی باتوں سے اس نے سمجھ لیا یہ آسان نہ ہوگا اس لیے دوسرا طریقہ اپنانا پڑا۔

وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ بہت سوچنے کے بعد کہ کس سے کہے اس نے طروبہ کو فون کیا اور قسمیں وعدے لینے کے بعد اسے بتا دیا۔ حسب توقع اس نے دلشاد سے کہا اور اگلے دن سحبان اور غفران احمد کے آتے ہی سب کو لیے وہ بھی چلی آئیں۔ طروبہ نے جب بتایا کہ وہ اپنی ممی کے ساتھ آرہی ہے تب اس نے ثانیہ کو کراپ کیے اسکرین شاٹس بھیج کر فون بند کر دیا۔

اس نے سحبان میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ ان حالات میں بھی اس نے سحبان کے متعلق نہیں سوچا بلکہ اسے سارا غصہ ثانیہ پر تھا اور پھر باقی گھر والوں کی نادانی پر۔ وہ انہیں اپنی وفاداری اور خیر خواہی بتانا، جتانا چاہتی تھی۔ انہیں اس غلطی کا احساس کرانا چاہتی تھی کہ ثانیہ غیر تھی اس پر اعتماد کیا اور وہ جو واقعی ان کے گھر کا فرد تھی اسے نظر انداز کیا۔

اس سارے منصوبے میں وہ ان کے رشتے میں ہوئی پیش رفت سے بے خبر تھی اور اس ایک بے خبری نے سب کچھ پلٹ دیا تھا۔

☆☆☆

"ماہین! بتاؤ مجھے کیوں کیا یہ سب؟" نصرہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

digestlibrary.com

وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"کس بات کا بدلا لیا تم نے؟ کیا کمی رکھی؟ کیا ظلم کیا تمہارے ساتھ؟ اچھا کھانے دیا پہنایا اوڑھایا، پڑھا بھی رہے ہیں، تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی ضروریات کا خیال رکھا، انہیں رقم بھجواتے رہیں، اپنا سمجھا، عزت دی، مان دیا اور تم نے یہ بدلہ دیا ان سب کا؟ جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا، احسان فراموشی اسے ہی کہتے ہیں۔ ماموں کے بارے میں بھی نہیں سوچا جو تمہارا اتنا خیال کرتے ہیں، تمہیں سحبان میں دلچسپی تھی؟ اپنی اوقات بھول گئی تھیں تم؟"

"مجھے کسی میں دلچسپی نہیں مگر ہاں۔" ماہین نے سر اٹھایا۔ "اپنی اوقات بھول گئی تھی، میں واقعی خود کو اس گھر کا فرد سمجھنے لگی تھی، بھول گئی تھی میں ایک کم ذات نوکر ہوں۔"

"واہ! اب بھی ناک اونچی رکھنی ہے، کس نے تمہیں یہاں کم ذات اور نوکر سمجھا؟ ساری دنیا جانتی، مانتی اور کہتی ہے کہ تم اس گھر میں فیملی ممبر کی طرح ہو اور اب۔"

"غلط جانتی، مانتی اور کہتی ہے دنیا۔" اس نے بات کاٹی۔

"تم احسان فراموش ہی نہیں بے غیرت بھی ہو، کس بات کو غرور ہے تمہیں؟"

سحبان اور ثانیہ اب تک چپ ہی تھے۔

"آپ مجھے بے عزت کرنے کی بجائے ان سے بچ پوچھیں۔" اس نے ثانیہ پر سلگتی نگاہ ڈالی۔

"ان کی زندگی، وہ کچھ بھی کریں، تمہیں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔ پھوپھو سے کہا وہ الگ لیکن سحبان سے ثانیہ بن کر میسجز پر بات کا کیا جواز ہے تمہارے پاس؟"

ماہین استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"ابھی آپ مجھے فیملی ممبر کہہ رہی تھیں اور اب ان کی زندگی، ان کی مرضی کہہ رہی ہیں۔ یہ بات آپ کے علم میں آئی تب کیا کرتیں آپ؟ چپ چاپ سب یونہی چلنے دیتیں؟"

"ان کے درمیان غلط فہمی پیدا نہ کرتی، گھر کے باہر پھوپھو سے نہ کہتی، تماشا نہ لگوائی اور ان سے ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی نہ چھینتی۔" اس ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری پر نضرہ کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

"اس کا مجھے بھی افسوس ہے، میں نے ایسا کچھ نہیں چاہا تھا۔"

"یہ بناوٹی جملے بول کر اپنی نیت، غلطی اور پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش پر پردہ نہ ڈالو۔"

"میری نیت غلط نہیں تھی، بحیثیت فیملی ممبر میں اپنا فرض نبھانا چاہتی تھی، جو آپ سب نے مجھے بھی سمجھا نہیں لیکن میرے لیے آپ سب......"

"بس کرو ماہین! اتنا سب پلان کرنے کا جگر تھا تو اب قبول کرنے کی ہمت بھی کرو۔"

"پھر آپ بھی تسلیم کریں کہ میں آپ سب کے لیے ہمیشہ ملازمہ ہی تھی، اچھا سلوک اور آزادی دنیا سے تعریفیں سمیٹنے اور دکھاوے کے لیے تھی۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے، ہم سب کے ساتھ اس گھر میں اتنا وقت گزارنے کے بعد بھی تمہاری یہ سوچ ہے تو افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔"

ماہین کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"صرف اچھا کھانا کپڑا دینا ہی برابری کا درجہ دینا نہیں، آپ کیا دنیا کے لیے کرتے ہیں اور کیا خدا کے لیے، یہ آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں جان سکتا......" وہ ذرا ٹھہری۔

"میرا مقام، میری ذات میری حیثیت آپ سب کی نظر میں واقعی کم تر نہ تھی تو اس کی جگہ میرا کیوں نہ سوچا؟" اس کا ہاتھ ثانیہ کی سمت اٹھا تھا۔ اپنی برابری میں کرتے تو مجھے خیال بھی نہ آتا، کم و بیش ایک سی شکل، دوست اور رشتے دار کی بیٹیاں، پیسوں کی کمی سے مسائل میں گھرا سفید پوش گھرانا جس سے بنا جہیز اور خرچ کروائے شادی کر کے آپ اس کے ماں باپ کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ یہ ہی،

ایک سے ہمارے حالات تھے ناں کچھ الگ تھا تو وہ حیثیت، مقام اور میرے نوکر ہونے کا فرق۔ سحبان بھائی انکار کر دیتے، یہ شادی نہ ہوتی وہ الگ بات لیکن ایسا سوچنا اور نہ سوچنا فیملی ممبر کہنے اور دل سے ماننے کا فرق ہے۔"

"اس کے لیے میں تمہارا قصوروار ہوں......"

دروازے سے اندر داخل ہوتے غفران احمد نے کہا۔ ان سب کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ اس کے قریب آ کر رک گئے۔ یہ سچ ہے مجھے تمہارا خیال نہیں آیا، آنا چاہیے تھا لیکن اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہیں۔ سحبان اگر تمہارا نام لیتا تو ویسے ہی خوشی اور جوش سے شادی کرواتا جیسے ان دونوں کی کروائی ہے۔"

انہوں نے ماہین کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایک اعلیٰ ظرف اعتراف اور اس کا خود کے اس اقدام پر درست ہونے کا زعم ٹوٹ گیا۔

"تمہیں جو بھی کہنا تھا مجھ سے آ کر کہتیں بیٹا، گھر والوں کو شکایت ہو تو وہ گھر کے سربراہ کے پاس جاتے ہیں۔" ماہین ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"تم بھی مجھے ثانیہ اور نُضرہ کی طرح ہی عزیز ہو۔"

ماہین کا دل کیا دنیا سے چھپ جائے، خود کو کہیں گم کر لے کہ پھر کبھی غفران احمد کا سامنا نہ ہو۔ اس کے سارے دلائل اور اتنی لمبی تقریر چند الفاظ کے آگے بے معنی ہو گئے تھے۔

"غلطیاں سب سے ہوئی ہیں، ان سے ہوئیں، مجھ سے ہوئیں، تم نے کیں۔ اب بھول جاؤ، اس سے سبق لو اور آگے بڑھو۔" غفران احمد نے اس کا سر تھپتھپا کر نُضرہ کو مخاطب کیا۔

"اسے کمرے میں لے جاؤ، مزید کوئی بحث نہ کرنا نہ کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔" نُضرہ کو ماہین کی منطق سمجھ آئی تھی نہ ہی غصہ کسی طرح کم ہو رہا تھا لیکن ماموں کا حکم بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔ آگے آ کر ماہین کا بازو پکڑا اور کھینچتی باہر نکل گئی۔

غفران احمد نے ان دونوں کو دیکھا جن کے کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا۔ وہ ثانیہ کی طبیعت پوچھنے اس طرف آئے تھے اور ماہین اور نُضرہ کی ساری گفتگو سن چکے تھے۔ وہ ان کے قریب سے گزر کر سحبان کی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں اب بھی اپنی جگہ جمے تھے۔

"کسی کو کچھ کہنا ہے؟" انہوں نے دونوں کی پشت کو دیکھ کر سرد آواز میں پوچھا۔ ثانیہ پلٹی اور ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"چاچا جان۔" اب سچ کا وقت تھا۔

بڑی دیر بعد وہ کمرے سے باہر نکلے تو ان دونوں سے ان کی معاہدے والی شادی پر ناراضی، افسوس، اور دکھ کے برملا اظہار کے بعد وہ ان سے اعترافِ خطا، اقرارِ وفا، انکارِ جفا، وعدۂ نبھا سب کروا چکے تھے ساتھ ہی مزید کسی کو اس کے متعلق نہ بتانے کی تنبیہ کے ساتھ معافی کی نوید بھی دے دی تھی۔ اس معافی کی شرط سحبان کا سنجیدگی سے نو سے پانچ کام پر جانا تھی۔

ماہین یہیں تھی۔ گاؤں جانا نہ جانا اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا اور اس نے ان چاروں کو حیران کرتے ہوئے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے فرار کے بجائے اپنے لیے سزا منتخب کی تھی۔ خلوص پر شک کی غلطی کا احساس سب سے بڑی اذیت اور پچھتاوے سے بڑی کوئی سزا نہیں، یہ وہ جان گئی تھی۔ اس کی وجہ سے ایک جان کا ضیاع ہوا تھا، یہ سچ ہر رات اسے پھانسی کے تختے پر لا کھڑا کرتا تھا۔ غفران احمد نے نُضرہ کے اعتراض پر اسے سمجھایا۔

"ہمیں بھی اپنے رویے اور زبان سے ادا ہونے والے لفظوں پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہماری نیکیاں یا اچھی نیت سے کیے گئے کاموں کو دنیا سے چھپانا اور تعریفوں اور واہ واہی کو روکنا بھی شاید ضروری ہے کیوں کہ ہم نہیں جانتے سننے والے پر اس کے کیا اثرات ہوتے ہوں کہ سب کی حساسیت کی سطح مختلف ہوتی ہے۔ ماہین کا طریقہ غلط تھا مگر سحبان نے

جو کیا اس کے تناظر میں اس کی سوچ سراسر غلط بھی نہیں کہی جاسکتی۔" نفرہ قائل نہیں ہوئی تھی لیکن ان سے بحث بھی نہیں کی۔

غفران احمد کو بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ سب کے خیالات ان کی طرح نہیں ہو سکتے اس لیے اس بات کی خبر کسی اور کو نہ ہونے دی۔ سارا سچ ان چاروں کے درمیان ہی تھا۔

اس نے خوشنما کو سب کہہ سنایا تھا۔ متوقع مجرمین میں اس کا نام اور ایسا سوچنے پر اپنی ندامت سب کچھ اور جب اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تو وہ مزید ناراض نہ رہ سکی۔

☆☆☆

"اگر تم نے ٹاپ کر لیا تو ہم اس بائیک پر روڈ ٹرپ پر جائیں گے۔" سحبان نے ساحل کی ریت پر بائیک اسٹینڈ پر لگا کر اسے دیکھا۔

ڈن! بس ایک شرط ہے۔" وہ ثانیہ ہی کیا جو اس کے ساتھ اگر مگر اور کسی شرط کے بنا مان جائے۔

"کہو۔" سحبان نے ہیلمیٹ سیٹ پر رکھی۔

"اس کے آگے کہیں 'میرڈ' کا بورڈ لگوالو۔"

وہ اب ویسے ہی اس کے پیچھے بیٹھتی تھی جیسے وہ لڑکیاں جنہیں دیکھ کر وہ صلواتیں سنایا کرتی تھی اس لیے ویسی ہی صلواتوں سے بچنے کے لیے یہ وضاحت ضروری تھی۔

"جسٹ میرڈ کا نہ لگوالیں؟ لوگ پرائیوسی بھی دے دیا کریں گے۔" اس نے بائیں آنکھ دبائی۔

"الٹا بھی ہو سکتا ہے، کہیں لالچ میں ساتھ ہی نہ ہولیں۔" اس نے ڈرایا۔

"ہاہاہاہا۔ کیا یہ بھی 'اِکے' انسپائیر ٹو ڈو لسٹ میں درج ہے؟"

"ایسی کوئی لسٹ کبھی تھی ہی نہیں۔" اب اسے اس اکلوتے فیورٹ سیریل میں بھی دلچسپی نہ تھی۔ یہ بات بھی وہ جان گئی تھی کہ اس مصنوعی دنیا میں اس کی دلچسپی دراصل اپنے مسائل اور محدود وسائل والی زندگی سے فرار کا ذریعہ تھی۔

"یقین نہیں آتا۔ ویسے آج بتا ہی دو یہ 'اِکے' کیوں؟"

"دراصل پہلے پہل سب لوگ ٹائٹل کی تخصیص 'آئی کے' کہا کرتے تھے، اسٹارٹ سے ہی بڑا کریز تھا کیمپس میں اس کا پھر آہستہ آہستہ آئی کے بگڑ کر اِکے ہو گیا۔"

اوہ!"

"خوشبوؤں نے میرے اندر بھیل اور چاٹ کھانے کی خواہش جگا دی ہے۔" وہ میکے سے سسرال لوٹ رہی تھی کہ راستے میں اس کا دل ساحل پر جانے کو مچل گیا۔

"میں لے آتا ہوں۔"

"اس اسٹال پر آرڈر دے کر جگہ اور بائیک کا نمبر بتا دو، وہ لا کر دیتے ہیں۔" اس نے ذرا فاصلے پر اسٹالوں کی قطار میں ایک سمت اشارہ کیا۔

"اچھا۔" اس نے کبھی ساحل پر یہ سب نہیں کھایا تھا۔

وہ چلا گیا تو ثانیہ رخ موڑ کر سمندر کی آغوش میں گم ہوتے سورج کو دیکھنے لگی۔ یہی تو تھا اس کا رومانس، کسی کے سنگ پیروں کے نیچے پھسلتی ریت اور ہتھیلی میں بند ایک لمس کو محسوس کرنا، پانیوں کے شور میں گھلتی دلوں کی سرگوشیوں کو سننا، ایک من چاہی قربت میں قدرت کے حسن میں گم ہونا۔ سحبان اب بھی کئی موقعوں پر اس سے پوچھتا تھا۔

پھر کیسی رومانٹک ہو تم؟" مگر اس نے کبھی جواب نہیں دیا تھا۔"

"آج بتا ہی دیتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ تبھی پیچھے سے سحبان کی آواز آئی۔

"ثانو!" وہ پلٹی۔ شریر تبسم کے ساتھ وہ ہاتھ میں ایک ناریل اور دو اسٹرا لیے اس کی سمت چلا آرہا تھا۔

"نہیں!!!!!" اس کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی۔

☆☆

digestlibrary.com